میکدہ، از جناب نیر واسطی، حجم ۸۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت مجلد ۱۲ر غیر مجلد ۸ر، پتہ: جناب سید صفات احمد صاحب، منیجر دیسی دواخانہ، چوک چونے منڈی لاہور،

میکدہ، جناب حکیم سید علی احمد صاحب نیر واسطی کی چند نظمون اور غزلون کا مجموعہ ہے، جو حمد و نعت کے بعد "قومی نظمین" "ادبی نظمین" "تغزل" "طبی نظمین" اور "متفرقات" مین تقسیم ہے، چند قومی اور بعض ادبی نظمین اچھی خاصی پرجوش اور کیف آور ہین، "طبی نظمون" مین جناب حکیم مسیح الملک اجمل خان کا مرثیہ اچھا ہے، اور پر درد ہے،

جواہر طب حصہ اول، از جناب حکیم سید محمد ہادی صاحب گیاوی، مقیم ناگپور، حجم ۹۷ صفحے، قیمت ۱۲ر، مصنف سے ہنسا پوری سرکل ۱۶/۲۲، ناگپور سی پی کے پتہ سے مل سکتی ہے،

"جواہر طب" مین جسم انسانی کے تقریباً تین سو امراض اور ان کے زیادہ تر مفرد یا زیادہ سے زیادہ کم اجزا سے مرکب دواؤن سے علاج کے آسان طریقے لکھے گئے ہین اس کا پہلا حصہ پیش نظر ہے، جس کے ابتدائی دو بابون مین جسم انسانی کی عضوی تشریح ہے، رسالہ سر کے امراض اور اس کے علاج سے شروع کیا گیا ہے، معدے کے امراض و علاج کے بیان مین رسالہ کا پہلا حصہ ختم ہوجاتا ہے، رسالہ کا نمایان وصف اختصار اور معمولی امراض کا آسان علاج بتانا ہے،

ابتدائی قواعد فارسی از جناب سید محمد صاحب ایم اے، مددگار سٹی کالج، حجم ۱۵۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲ر پتہ: سٹی کالج بک ڈپو، حیدرآباد دکن،

اس رسالہ مین استقرائی طریق تعلیم کے رو سے بچون کے لئے فارسی قواعد لکھے گئے ہین، اور کوشش کی گئی ہے کہ صرف و نحو کے اصطلاحات سے بچون کے ذہن کو حتی الامکان بچایا جائے، رسالہ مین فارسی صرف و نحو کے ضروری مسائل آگئے ہین،

"ر"

جلد ۳۳ | ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۳۴ء | عدد ۳

مضامین

شذرات

یہ خبر نہایت حسرت وافسوس کیساتھ سنی جائیگی کہ اعلیحضرت خسرو دکن خلد اللہ ملکہ کے چھوٹے بھائی نواب صلابت [جاہ]
بہادر نے ستائیس سال کی عمر مین چند روز بیمار رہ کر رحلت فرمائی، مرحوم شاہی خانوادہ آصفی کے ایک رکن رکین ہونے کے [ساتھ]
مشرقی علوم وادب سے پوری دلچسپی رکھتے تھے، اللہ تعالی مرحوم نوجوان شہزادہ کے سر پر اپنے الطاف ورحمت کا تاج رکھے
اور اعلیحضرت برادرِ اکبر اور دیگر اعزہ کو صبر وسکون اور رضا بالقضا کی غیر فانی دولت سے ممتاز فرمائے،

معزز ٹرکی کے اُن ارباب فکر مین جو موجودہ سیاسی ہنگامون سے الگ ہو کر یورپ کے کسی گوشہ مین زاویہ نشین ہو[گئے ہین، ایک]
قابل ذکر ہستی ڈاکٹر بہجت وہبی کی ہے، یہ نسلاً عرب ہین، اور حضرت معاذ بن جبلؓ صحابی کی اولاد سے ہین، مادری ز[بان]
عربی ہے، مگر ابتدائی تعلیم ٹرکی مین پائی ہے، اور اعلی تعلیم کیمبرج (انگلستان) مین حاصل کی ہے، اور ڈاکٹری کی اعلی سند بھی یورپ [سے]
حاصل کی ہے، ان کی طبی تعلیم وتدریس وتحقیق کا خاص موضوع علم تشریح (اناٹومی) ہے، مصر کی طبی درسگاہ مین وہ اس کے [استاد]
بھی رہے ہین، اور اب ایک مدت سے وہ یورپ مین سکونت پذیر ہین، ۱۹۲۰ء کے وفد خلافت مین خاکسار کو ان سے [...]
واقع سویزرلینڈ مین ملاقات کا اتفاق ہوا تھا، موصوف نہایت سنجیدہ، متین، خوش خلق، اور تیس برس سے اسلامی احوال [و]
ماجریات کے بغور مطالعہ کرنے والے اور اس طویل عہد کے بہت سے واقعات اور سوانح کے چشم دید گواہ اور عینی شاہد ہین،

ہمارے محبوب رہنما ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے دوسرے قومی احسانات کے سلسلہ مین ان کا یہ احسان بھی کچھ کم نہین
ہے کہ وہ دو سال سے عالم اسلامی کے کسی نہ کسی نامور مفکر کو ہندوستان آنے کی دعوت دیتے ہین، چنانچہ گذشتہ سال [...]
رؤف بے ان کی دعوت پر ہندوستان آئے تھے، اور امسال ڈاکٹر بہجت وہبی آئے ہین اور امید ہے کہ آیندہ سال خالد[ہ ...]

کو وہ ہندوستان آنے کی دعوت دین، اور اسطرح ہندوستان اور اسلامی ممالک کے ارباب فکر کے درمیان مبادلۂ خیال کا بہترین موقع ہاتھ آئے،

ڈاکٹر بہجت وہبی فروری کے شروع مین ہندوستان آئے، اور دہلی آکر جامعہ ملیہ اسلامیہ مین مسلمانون کے عروج وزوال پر انگریزی مین
[چار] لکچر دیے، یہ لکچر ۱۱ فروری سے لیکر ۲۴ فروری تک دو دو روز کے وقفہ سے ہوتے رہے، اور اکثر تعلیم یافتہ مسلمان انکے خیالات کو
[سن]نے کیلئے جمع ہوتے رہے، موصوف نے پہلے خطبہ مین اسلام کی ترقی کے اسباب بتائے، دوسرے مین اسلامی تہذیب وتمدن کے
[کار]نامے دکھائے، تیسرے مین زوال کے اسباب سے بحث کی، اور چوتھے مین علاج کی تدابیر کے متعلق مشورے دیے، عنقریب یہ چارون لکچر جامعہ
[ملیہ] کی طرف سے مختلف اسلامی زبانون مین ترجمہ ہو کر شائع ہونگے،

مجھے موصوف کی دو پہلی تقریرون کے خلاصے پڑھنے کا، اور دو پچھلی تقریرون کے بذات خود سننے کا موقع ملا، ہم کو اس اظہار مین
بڑی خوشی ہے کہ اس موجودہ دور مین دنیائے اسلام سے یہ پہلی آواز تھی جسمین نوجوان مسلمانون کو یورپ کے نیک وبد مین تمیز کرنے کی دعوت
دی گئی تھی، جسمین دین ومذہب کے اعلی جوہر کی اصلی قدر وقیمت کی شناخت کا رمز پوشیدہ تھا، جس مین یورپ کی اندھی تقلید، اور علماء کے
متکلمانہ مباحث، موجودہ تنگ ومحدود قومیت پرستی اور سلاطین اسلام کی خود مختاری ومطلق العنانی ہر چیز کی یکسان مذمت کیگئی تھی،

مقرر کے نزدیک اسلام کی ترقی کے حسب ذیل اسباب تھے، حضرت پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مقدس ومکمل شخصیت، قرآن پاک کی اعلی
تعلیم، اسلام کے صاف اور سادہ اصول، توحید کا بلند تصور اور اسلامی تعلیمات کا فطری ہونا، اور تاریخ عالم کا وہ مخصوص عہد وماحول جس مین
اسلام قومون کا رہنما بنکر آیا،

مسلمانون کے زوال کے اسباب مین سب سے پہلا سبب انھون نے سلاطین کی شخصی اور مطلق العنان حکومت کو قرار دیا، اور
اسکے بعد علماء کے متکلمانہ مباحث اور مناظرات کو جگہ دی، پھر صلیبی لڑائیون، تاتاری حملون اور اندلس کی تباہی کا حال بیان کیا، آخر
مین یورپ اور ہندوستان کے راستہ کے درمیان ایک نئے راستہ کی تلاش کا ذکر کیا، جس نے عالم مین انقلاب عظیم برپا کر دیا، اور سب سے آخر مین
اس محدود المعنی قومیت ووطنیت کا تذکرہ کیا، جس کے سیلاب مین مصر، ایران، عراق، ٹرکی اور دیگر اسلامی ممالک بہتے چلے جا رہے ہین،

موصوف نے اپنی آخری تقریر مین فرمایا کہ یورپ کی اندھی تقلید ہمارے مرض کا علاج نہین، ہم کو یورپ کے سائنس کی ضرورت ہے، اسکی سوسائٹی اور طریق تمدن کی نہین، اصل ضرورت یہ ہو کہ اسلام کو عہد سلف کی طرح سادہ اور فطری بنایا جائے، اور تمام نو اثرات سے اسکو پاک کرکے اپنے نوجوانون اور نیز غیر مسلم قومون کے سامنے پیش کیا جائے، یہ بھی فرمایا کہ لڑکون کو تعلیم کی غرض سے یورپ بھیجنا ہماری بہت سی تباہیون کا ذمہ دار ہے، اس پر بھی زور دیا کہ سائنس کے علاوہ تمام دیگر علوم کو مادری زبانون مین پڑھایا جائے سائنس اور علوم جدیدہ کی تعلیم کے لئے انھون نے بوجوہ انگریزی زبان کو ترجیح دی اور ساتھ ہی مسلمانون کی واحد عالمگیر مذہبی زبان (عربی) سے تغافل پر متنبہ فرمایا، اور آخر مین مسلمان نوجوانون کے اندر اخلاقی و مذہبی جوہر پیدا کرنے کی ضرورت ظاہر کی، اور اسی کو مسلمان قومون کی زندگی کی اصلی روح قرار دیا،

مقرر نے جو کچھ کہا بالکل سچ ہے، جنگ عظیم سے پہلے جب سارے یورپ کا تقریباً یکسان نظام عمل تھا، یہ کہنا بہت آسان تھا کہ مشرق کی ترقی کا راز مغرب کی تقلید مین ہے، مگر جنگ عظیم کے بعد جب یورپ ایک یورپ نہین رہا، بلکہ متعدد یورپون مین تقسیم ہوگیا، یہ کہنا مشکل ہے کہ یورپ اور پھر کس یورپ کی تقلید ہماری نجات کا باعث ہے، کیا ریمزی میکڈانلڈ کے یورپ کی، یا ہر ہٹلر کے یورپ، یا اڈولفس کے یورپ، یا اسٹالین کے یورپ، یا مسولینی کے یورپ کی،

اس عہد جدید کا سب سے پامال لفظ ترقی ہے، ترقی ترقی کی پکار سے ہمارے کان بہرے ہوگئے ہین، اور ذرا نہین غور کرتے کہ اس لفظ سے ہمارا مقصود کیا ہے؟ اور اس کے حصول کی تدبیر کیا ہے؟ ترقی کے معنی کسی قوم کا دنیا مین ذہنی و جسمانی فکری و معاشی، اور علمی و عملی ہر حیثیت سے ممتاز و فائق ہوجانا ہے، اور اس کے حصول کی تدبیر صرف ایک ہے، پوری قوم کا کسی ایک بلند ذہنی تخیل یعنی ایمان پر غیر متزلزل یقین کے ساتھ متفق ہوکر ایک ہوجانا، اور اس کے لئے ہر قسم کا ایثار، قربانی اور کوشش کرنا، اسی آگ مین اختلافات کے تمام خس و خاشاک جل کر راکھ ہوجاتے ہین، اور وحدت ایمان و وحدت عمل کی ناقابل شکست قوت پیدا ہوکر جمود کو روانی، سکون کو حرکت، خود غرضی کو ایثار، اور حیات فردی کو حیات اجتماعی سے بدل دیتی ہے، تمام اقوام کی ترقیان، اسی ایک اصول پر ہوئی ہین، ہوتی ہین، اور ہونگی،

مقالات

سیرۃ النبی جلد چہارم پر تبصرہ

ایک منکر حدیث کی نظر سے

اور اوس کا جواب،

(مؤلف)

جامعہ نومبر ۱۹۳۳ء مین سیرۃ النبی جلد چہارم پر حافظ اسلم صاحب جیراجپوری نے ایک تبصرہ لکھا ہے، جس طرح اس سے پہلے سیرۃ جلد سوم پر ان کے ریویو لکھنے کا محرک معجزات نبوی سے انکار تھا، اسی طرح جلد چہارم پر لکھنے کا محرک برزخ کے عذاب و ثواب کا انکار ہے، جس کو موصوف نے احباب کے اصرار پر دوبارہ نئی قوت سے جنوری ۱۹۳۴ء کے جامعہ مین لکھا ہے، اس لئے عالم برزخ کی بحث کا جواب ایک مستقل مضمون مین دیا جائیگا، اور بالفعل ان کے دوسرے اعتراضات کی طرف توجہ کیجاتی ہے،

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس چھ سو چھیاسی صفحون کی کتاب مین جسمین اسلام کے تمام عقائد پر عقلی و نقلی مباحث ہین، حافظ صاحب کو منکر حدیث کی حیثیت سے چار باتین قابل اعتراض نظر آئین، اول برزخ کا عذاب و ثواب، دوم ملکہ نبوت، سوم دوزخ سے نجات، چہارم تقدیر کا عقائد مین داخل ہونا، مؤلف سیرت سب سے پہلے اپنے کو قابل مبارکباد سمجھتا ہے کہ موصوف کو "فرقۂ منکرین حدیث" کے نمایندہ کی حیثیت سے صرف یہی چند باتین اعتراض کے

قابل اسکی کتاب مین مل سکین،

اس مضمون مین سب سے پہلی قابلِ شکایت بات یہ ہے، کہ حافظ صاحب نے اُس فرقۂ اہل سنت کا جس کے مرکز جامعہ مین وہ بحیثیت استاد کے مدرس ہیں، بڑی کراہت کے ساتھ نام لیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس فرقہ سے کسی قسم کا تعلق رکھنا پسند نہین کرتے، مولف پر جو سب سے بڑا اعتراض ہو وہ یہی ہو کہ وہ سلف اہلسنت کا پیرو کیون ہو؟ ارشاد ہوتا ہو کہ

"لیکن چونکہ وہ سلف کے خیال کے قدم بقدم پیرو ہیں" (صفحہ ۳۸۳)

"مگر جب قدر و جبر کی بحثیں شروع ہوئیں تو سلفِ اہلسنت نے تقدیر کے مسئلے کو اس نوعیت سے جس نوعیت سے وہ اس کو مانتے تھے، اپنے فرقے کے عقائد میں داخل کر لیا" (صفحہ ۳۸۲)

لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ صحابۂ کرام کے عہد کے بعد معترض کے نزدیک کون سا گروہ تابعین اور تبع تابعین میں ایسا ہے جس کے ذریعہ قرآن پاک اور دینِ مبین ہم تک پہنچا ہے، اور جس کی پیروی مسلمانون کو کرنی چاہئے کیا وہ زہری، حسن بصری، امام ابو حنیفہ، امام مالک وغیرہ ائمہ محدثین بتا سکتے ہیں کوئی اور، کیا وہ سچ سچ بتا سکتے ہین، کہ اس دور کے لوگون میں سے کس کو قرآن کی تشریح، اور دینِ اسلام کی تفصیل کا اہل سمجھتے ہین، اور یہی وہ لوگ ہیں، جو سلف اہلسنت ہین، کیا وجہ ہے کہ حافظ صاحب اپنے اور اپنے متبعین کے لیے قرآن کے معنی، اور مسائل اسلامیہ کی جو تشریح اپنی عقل و فہم سے کرین، وہ تو روشنخیالی اور حقانیت ہو اور اسکی پیروی صحیح اسلام کی پیروی کہلائے، اور "سلف اہلسنت" اپنی روایت کو چھوڑ کر، اپنے علم و دیانت اور عقل و فہم سے جو کہیں، وہ حافظ صاحب کے نزدیک ضلالت و گمراہی ٹھہرے

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

دلی کے خانوادۂ علم کی نسبت اظہار رائے

دلی کے خانوادۂ علم شاہ ولی اللہ صاحب اور اُن کے اخلافِ کرام کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہے، کہ آج حافظ صاحب اور ہم مسلمان ہین، اور اب ہمارا یہ حال ہے کہ عربی کی چند کتابین پڑھکر اور مصر کی چند معمولی کتابوں کا ترجمہ کرکے اور اپنے نام سے چھاپ چھاپ کر ان بزرگوارون کے منھ آنے لگے ہیں، پہلے نمبر مین وہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت یہ تحقیرانہ الفاظ لکھتے ہیں،

"شاہ ولی اللہ صاحب جو قرآن کے مترجم بھی تھے اور ماہر بھی اس عالم کے وجود پر کوئی سند لا سکے؟"

گویا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بس اسیقدر بساط ہے کہ وہ قرآن کے مترجم تھے، اور اگر ماہر تھے تو غالباً حافظ صاحب سے کم، شاہ عبد القادر صاحب اور دوسرے مفسرین اور علمائے مترجمین قرآن کی نسبت اپنے تیسرے مضمون مین وہ ایک ایسا فقرہ لکھتے ہیں جس کے لکھنے سے اُن کو شرم آنی چاہئے تھی، لکھتے ہیں،

"یہان اس عام غلطی کا اظہار کر دینا ضروری ہے جو قرآن کے عام مفسرین اور مترجمین نے اس آیت کے متعلق کی ہے، یعنی یہ کہ انھون نے بجائے معبودان غیر اللہ کے لاعلمی کی نسبت خود اللہ کی طرف کی ہے، اور نہیں شرمائے ہیں"

شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ غلط نہیں اور نہ مفسرین نے اسمیں غلطی کی

آیت یہ ہے، اور مفسرین و مترجمین کا ترجمہ یہ ہے،

وَيَقُولُونَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ (۱۸/۱۱)	اور کہتے ہیں کیا یہ لوگ (بت) ہمارے سفارشی ہین اللہ کے پاس، کہدے کہ کیا تم اللہ کو جتاتے ہو وہ جو اس کو معلوم نہیں آسمانوں میں اور زمین میں،

حافظ صاحب سمجھتے ہیں کہ اس ترجمہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف "عدم علم" کی نسبت ہوتی ہے، حالانکہ یہان استفہام ہے، اخبار نہیں، یعنی سوال کر کے کفار کو ملزم کیا جاتا ہے، کہ کیا تم خدا کو وہ بات بتاتے ہو جو اس کو معلوم نہین؟ اب ظاہر ہے کہ خدا کو تو سب باتیں معلوم ہیں، اس لئے کفار کا یہ کہنا کہ "یہ بت خدا کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں" ایک ایسی باطل بات کا اظہار ہے جو صحیح نہیں، اور جو علم خداوندی کے خلاف ہے،

بتایئے اب یہ کونسی بات تھی، جسکے لیے ہمارے تمام مفسرین، مترجمین، اور شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شرمانا چاہئے تھا، جس آیت کو اسکے بالمقابل آپنے پیش کیا ہے، اسکا اتنا ہی مطلب ہے کہ "اللہ کافرون کے معبودان باطل کو جانتا ہے" وہ اسکے مخالف نہین

مسئلہ تقدیر

حافظ صاحب کہتے ہیں،

"قرآن کے مطابق تقدیر ایمانیات میں داخل نہیں ہے، بلکہ مسائل قرآنی میں سے ایک مسئلہ ہے۔"

اس کلام کے دونوں فقرے آپس میں متضاد ہیں، غالباً حافظ صاحب بھی وکتسبہ کے اندر پورے قرآن پر ایمان لانا ضروری سمجھتے ہونگے، اور جب پورے قرآن کے اوپر ایمان لانا ضروری ہے تو ان آیتوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، جن میں مسئلۂ تقدیر کا بیان ہے، پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ "قرآن کے مطابق تقدیر ایمانیات میں داخل نہیں" بلکہ یوں کہئے جیسا کہ مؤلف سیرۃ نے کہا ہے کہ "اگرچہ قرآن پاک میں ایمان کے سلسلہ میں اس کا ذکر کہیں نہیں آیا ہے۔" (سیرۃ ۴ ص ۲۹۰) اور یہ صحیح ہے کہ اٰمنوا (ایمان لاؤ) یا یؤمنون (ایمان لاتے ہیں) کے لفظوں میں اللہ، ملائکہ، کتب، رسل، اور یوم آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ اس کا ذکر نہیں، مگر احادیث کے علاوہ اس وقت سے جب سے معتزلہ نے تقدیر کا انکار کیا ہے، اہل سنت نے قرآن پاک کی اس تعلیم کو جو تقدیر سے متعلق ہے، نمایاں کرکے پیش کیا ہے، اسکی صورت ایسی ہی ہے جیسے آج جبکہ قادیانی اور بہائی "ختم نبوت" کا انکار کر رہے ہیں، ختم نبوت کو جو قرآن سے ثابت ہے ہم مسلمانوں کے سامنے خاص طور سے پیش کردیں، تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ "قرآن کے مطابق ختم نبوت ایمانیات میں داخل نہیں"، اس طرح تو قرآن پاک میں جتنی باتیں ہیں، ان میں کسی کو بھی اگر ہم آپ کے سامنے ایمان کے لیے پیش کریں، تو آپ یہی کہیں گے کہ "ایمانیات میں داخل نہیں"۔ تو پھر قرآن پر ایمان لانے کے جو ایمانیات میں داخل ہے، کیا معنی ٹھہرینگے؟

کیا قرآن پاک کی یہ آیت اور اس معنی کی اور بیسیوں آیتوں پر آپ کے مذہب کے رو سے ایمان لانا ضروری نہیں؟

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا	کوئی مصیبت نہیں آتی زمین میں اور تمھاری جانوں میں
فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا	لیکن وہ کتاب میں ہے، اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں،
اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا	بیشک یہ اللہ پر آسان ہے، تاکہ تم اس پر جو تم سے جاتا
عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ، (حدید ۳)	رہے غم نہ کرو، اور جو تمکو اللہ دے اس پر اترایا نہ کرو،
وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ وَمَا	اور کوئی عورت حمل میں نہیں رکھتی اور نہ جنتی ہے لیکن
يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ	خدا کے علم سے اور نہ کسی بڑی عمر والے کو بڑی عمر ملتی اور نہ

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (فاطر ۲)	اسکی عمر کم ہوتی ہے لیکن وہ کتاب میں ہے، بیشک یہ اللہ پر آسان ہے،

مسلمانوں کو یہ تعلیم ملی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے کہدیں،

لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا، (توبہ ۷)	ہمپر کوئی آفت آہی نہیں سکتی، لیکن خدا نے جو ہمارے لئے لکھدیا ہو،

کیا یہ اور اسی قسم کی دوسری بیسیوں آیتوں پر ایمان لانا مسلمانوں کے لئے ضروری نہیں، اور قرآن کے مطابق یہ ایمانیات میں داخل نہیں، اگر ہے تو سیرت کے مؤلف نے اسکی تشریح میں بقول معترض "پورے بیس صفحے رنگین" جو کئے ہیں وہ قرآن پاک کے تعلق سے یا محض "تقلید سلف" جیسا کہ معترض نے مؤلف کو الزام دیا ہے، پھر بھی مؤلف نے یہ اعتیاطاً کبھی یہ نہیں کہا ہے کہ اس مسئلہ کو ایمانیات میں داخل کردیا جائے، جیسا کہ معترض کا الزام ہے، بلکہ یہ کہا ہے،

"اگرچہ قرآن پاک میں ایمان کے سلسلہ میں اس (قضا و قدر) کا ذکر کہیں نہیں آیا، مگر اس کا اعادہ بار بار قرآن میں اتنی دفعہ ہوا ہے کہ اسکی اہمیت اسکی مقتضی ہے کہ اس کو ایمانیات کے پہلو میں جگہ دیجائے" (ص ۲۹۰)

کہاں خود ایمانیات میں داخل کرنا اور قرآن میں اضافہ کرنا جسکا الزام ہے، اور کہاں قرآن پاک کے بار بار کے اعادہ اور اہمیت کے سبب سے ایمانیات کے پہلو میں جگہ دینا،

سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جاست

یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسئلۂ تقدیر کے علاوہ قرآن پاک کے کسی اور مسئلۂ علمیہ کو یہ اہمیت کیوں نہ دیگئی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسئلۂ تقدیر کو جو عمومیت، وسعت اور عالمگیری حاصل ہے، وہ کسی دوسرے مسئلہ کو نہیں، یہ وہ مسئلہ ہے جس سے آسمان و زمین کا کوئی ذرہ، مخلوقات کا کوئی فرد کسی فرد کی زندگی کا کوئی لمحہ خالی نہیں، اور ایک مسلمان کو اپنی زندگی میں اس سے ہر قدم پر واسطہ پڑتا ہے، ایسے ہمہ گیر مسئلہ سے اعراض، اور اس کو نمایاں کرکے مسلمانوں کے سامنے پیش نہ کرنا، بڑی کوتاہی تھی، درآنحالیکہ اس میں بڑی بڑی پیچیدگیاں حائل ہیں، اور اکثر مسلمان کیا بلکہ اکثر انسان اسکی دقتوں کے حل میں متفکر رہتے ہیں، اور اس کے متعلق مختلف قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہیں، اس لئے اس اہم کتاب میں اس سے قطع نظر کسی طرح ممکن نہ تھا،

دوزخ | اس مسئلہ میں سیرت کے مؤلف پر حسب ذیل اعتراضات ہیں،

۱۔ مؤلف نے جہنم کو بھی نعمت قرار دیا ہے، جو غلط ہے،

۲۔ مؤلف نے لکھا ہے کہ گنہگاروں کو دوزخ سے نجات ملیگی، حالانکہ دوزخ سے کسی کو نجات نہیں ملیگی، جو لوگ معاف ہو کر جنت میں جائینگے وہ اہل اعراف ہونگے نہ کہ اہل دوزخ،

۳۔ جنت اور دوزخ کے دوام کا یکساں بیان قرآن میں ہے،

حالانکہ یہ تینوں اعتراضات صریحاً غلط ہیں،

جہنم کو نعمت مؤلف نے نہیں کہا، بلکہ خود قرآن پاک نے کہا ہے، جنت کی نعمتوں کیساتھ دوزخ کے متعلق فرمایا

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِنْ نَارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ . . .

تم پر آگ کی لو برسائی جائیگی کہ تم اس کو دفع نہ کر سکو گے پھر تم پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ . . . . .

يعرف المجرمون بسيماهم فيؤخذ بالنواصي والاقدام فبأی آلاء ربکما تکذبان، هذه جهنم التي يكذب بها المجرمون يطوفون بينها وبين حميم آن، فبأی آلاء ربکما تکذبان، (رحمان)

گنہگار اپنی نشانی سے پہچانے جائینگے، تو پیشانیوں اور پاؤں سے پکڑے جائینگے پھر اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، یہ وہ جہنم ہے جس کو گنہگار جھٹلاتے تھے، وہ اس میں اور کھولتے پانی کے درمیان گھومتے پھرینگے پھر اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؛

ب کیا مؤلف نے غلط بیانی کی ہے؛ ممکن ہے کہ معترض ان آیتوں کی کوئی اور تاویل کرتا ہو، مگر وہ اسکی تاویل ہوگی نص نہیں،

۲۔ اعراف کے متعلق یہ منکر حدیث معترض حسب ذیل تحقیق ظاہر کرتا ہے،

"اصلیت یہ ہے کہ جہنم سے جو لوگ نکلنے کے مستحق ہونگے ان کو پہلے ہی نکال کر اعراف میں رکھا جائیگا جہاں سے رفتہ رفتہ وہ جنت میں پہنچا دیے جائینگے"

احادیث سے امداد لئے بغیر کیا اعراف نامی کسی مقام کا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے، قرآن پاک میں صرف اسقدر ہے؛

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ — اور اونچائیوں پر کچھ لوگ ہونگے جو سب کو انکی صورت سے پہچانیں گے

اس آیت سے کیونکر سمجھا گیا کہ "اعراف" کسی مقام کا نام ہے، جہاں لوگ رکھے جائیں گے، اور جہاں سے رفتہ رفتہ وہ جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے، اعراف کے لغوی معنی اونچائی اور بلندی کے ہیں، نہ کہ مقام و مکان کے اب آگے بعد یہ کہ

وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ،

اور انھوں نے جنت والوں کو پکارا کہ تم پر سلامتی ہو وہ جنت میں نہیں داخل ہوئے، اور وہ طمع رکھتے ہیں،

اس آیت کے کس لفظ سے حافظ صاحب کا یہ دعویٰ ثابت ہوتا ہے کہ

"اصلیت یہ ہے کہ جہنم سے جو لوگ نکلنے کے مستحق ہونگے ان کو پہلے ہی نکال کر اعراف میں رکھا جائیگا جہاں سے رفتہ رفتہ وہ جنت میں پہنچا دیے جائینگے"

اس "اصلیت" کا سراغ ہمارے دوست کو کہاں سے ملا، پھر ثبوت دعویٰ کی خاطر انھوں نے ایک "جگہ" کا اپنی طرف سے اضافہ کیا جو قرآن میں نہیں، دوسرے یہ کہ "یطمعون" جسکے لغوی معنی ہیں طمع رکھتے ہیں، اس کا ترجمہ "امید رکھتے ہیں" کیا ہے، جو ثبوت طلب ہے، ظاہر لفظوں سے تو اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ "وہ جنت میں داخل نہیں ہوئے ہیں اور وہ جنت کی طمع رکھتے ہیں" ان لفظوں سے حافظ صاحب کو جس "اصلیت" کا پتہ چلا ہے، وہ قرآن میں نہیں ہے، اب دو ہی باتیں ہیں، یا تو اس قرآن کی تفسیر میں ان کا دماغ گذشتہ اسلامی تربیت کی وجہ سے احادیث سے نادانستہ فائدہ اٹھا رہا ہے تو ان کو اپنے عہد جاہلیت کے اس خیال کو جلد دور کر لینا چاہئے، اور اگر قیاس سے کام لے رہے ہیں، تو ان کو اپنا یہ اصول یاد رکھنا چاہئے کہ

"میں کہتا ہوں کہ عقائد میں قیاس کی گنجائش کہاں، (اپنی اس "اصلیت") پر کوئی نص صریح آپ پیش کر سکتے ہیں تو پیش کیجئے" ص ۲۹۹

حافظ صاحب اس سلسلہ میں کہتے ہیں کہ دوزخ سے کسی کو نجات نہیں ملیگی، چنانچہ فرمایا،

"ورنہ جو جہنم میں گیا اس کے نکلنے کی قرآن سے تو کوئی امید نہیں"

میرا سوال یہ ہے کہ کیا معترض کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن قابل بخشایش ہوگا یا نہیں، یا اگر نہیں تو قرآن پاک کی اس آیت کا کیا مطلب ہے،

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (نساء)

خدا اس کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے معاف نہیں کرےگا اور اسکے سوا جسکے کیلئے چاہے معاف کردے،

اور اگر معاف کرسکتا ہے تو پھر اس آیت کے کیا معنی ہونگے جو مسلمان قاتلوں سے متعلق ہے،

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا (نساء)

اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کریگا تو اس کا بدلہ جہنم ہے جسمیں وہ خالداً رہے گا،

اب اگر ان کی بخشایش ہوگی تو کس طرح؟ کیا مقدار عذاب کے بعد وہ جہنم سے نکالے جائیں گے، اگر یہ ہے تو مؤلف اور عامۂ مسلمین کا دعویٰ کہ جہنم سے گنہگار نکالے جائیں گے ثابت ہوگیا، اور اگر نہیں نکالے جائیں گے، تو کیا مغفرت الٰہی کے بعد وہ جہنم کے بغیر اعراف نامی کسی مقام میں جسکا مقام ہونا قرآن سے ثابت نہیں، رکھے جاکر "رفتہ رفتہ وہ جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے" اگر ایسا ہے تو قرآن کا یہ فیصلہ کہاں ثابت ہوا" جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کریگا، اسکی جزا جہنم ہے جس میں وہ خالداً رہیگا؟" اسی طرح دوسرے مسلمان گنہگاروں کی نسبت از روے قرآن آپ کا کیا فیصلہ ہے، کہ ایک طرف ان کی مغفرت کی بھی بشارت ہے، اور دوسری طرف ان کے گناہوں کے عذاب کا بھی ذکر ہے، ان دونوں قسموں کی آیتوں میں اس تطبیق کے سوا جس کو اہل سنت نے اور ان کی تقلید میں مؤلف نے اختیار کیا ہے، دوسرا راستہ کیا ہے؟

حافظ صاحب کا خیال ہے کہ مؤلف نے جہنم سے خروج پر کوئی آیت پیش نہیں کی ہے، کیا یہ آیتیں سیرت ۶۲۱ و ۶۲۲ میں اور قرآن میں نہیں،

۱۔ اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (انعام)

آگ تمہارا ٹھکانا ہے جسمیں تم ہمیشہ رہوگے لیکن جو چاہے اللہ، بیشک تیرا رب حکمت والا اور علم والا ہے،

۲۔ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (هود)

ہمیشہ رہیں گے اس دوزخ میں جبتک آسمان و زمین ہیں لیکن جو چاہے تیرا رب، بیشک تیرا رب جو چاہے کر ڈالنے والا ہے،

ان آیتوں میں صاف تصریح ہے کہ دوزخ میں جانے کے بعد خدا جس کو چاہے اس کو نکال سکتا ہے، اس کے بعد حافظ صاحب کے اس تحکم بیجا پر نظر ڈالئے،

"پانچ آیتیں انھوں نے (یعنی مؤلف نے) خود قرآن سے نقل کی ہیں جنمیں تصریح موجود ہے کہ مجرموں کو جہنم سے نکلنا نصیب ہوگا، لیکن نکلنے کے متعلق ایک حرف بھی نقل نہیں کرسکے ہیں"

اب میں ایک اور آیت معترض کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، جس کی تفسیر میں وہ احادیث سے مدد لیں،

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا. ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا. ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا. وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا. ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا، (مریم)

تیرے پروردگار کی قسم ہم ان کو اور شیطانوں کو اپنے حضور میں جمع کرینگے، اور ان کو جہنم کے گرد حاضر کریں گے، پھر ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو الگ کریں گے، جو رحم والے خدا سے بہت اکڑے اکڑے پھرتے تھے، پھر جو لوگ جہنم میں جانے کے زیادہ مستوجب ہیں ہم انکو خوب جانتے ہیں، اور تم میں سے کوئی نہیں جو جہنم میں نہ جائے یہ تیرے رب کا فیصلہ شدہ حکم واجب ہے، پھر ہم انکو جنھوں نے تقویٰ کیا نجات دینگے، اور حد سے بڑھنے والوں کو ہم اسی (دوزخ) میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دینگے"

دیکھئے اس آیت میں ورودِ جہنم کے بعد ان کو جنھوں نے خدا سے کچھ بھی تقویٰ کیا تھا نجات پانے کی بشارت دی گئی ہے، لفظ "ورود" کے معنی کے متعلق شاید حافظ صاحب کے ذہن میں کوئی تاویل گذرے، تو اس کے دفعیہ کے

ایک اور آیت پیش کی جاتی ہے، تاکہ وہ اس کے صحیح معنی سمجھیں،

انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم انتم لہا واردون، (مریم)

بیشک تم اور جسکو تم خدا کے سوا پوجتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہونگے، تم سب اس جہنم میں جانے والے ہو،

اب حافظ صاحب کے اس دعوی کی اصلیت معلوم ہوگئی ہوگی،

"ورنہ جو جہنم میں گیا اس کے نکلنے کی قرآن کے رو سے تو کوئی امید نہیں" صـ ۳۹۳

اس کے بعد موصوف نے اپنے اس دعوی پر حسب ذیل آیت سے استدلال کیا ہے،

ونادوا یا مالک لیقض علینا ربک قال انکم ماکثون، (زخرف)

اور وہ جہنم کے داروغہ مالک کو پکارینگے کہ اللہ ہمارا خاتمہ کردے، وہ کہیگا تم کو رہنا ہوگا،

حالانکہ اس آیت سے ان کے دعوی کا کوئی ثبوت نہیں بہم پہنچتا، "لیقض علینا ربک" کا مجازی ترجمہ خاتمہ کر دینا حافظ صاحب نے کیا ہے، مجھے عذر نہیں، مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا ہم کو موت دیدے، وہ کہیگا کہ یہاں موت نہیں تم کو تو اسی حال میں قیام کرنا ہے، ظاہر ہے کہ گنہگار جب تک دوزخ میں رہیں گے وہ موت کی تمنا کریں گے، مگر ان کو موت نہ آئے گی، جیسا کہ قرآن پاک میں کئی جگہ ہے، اس سے دوزخ میں گنہگاروں کے دوام بقا کا کوئی ثبوت نہیں بہم پہنچ سکتا، اس میں لفظ "مکث" کا ہے جس کے معنی صرف "ٹھہراؤ اور انتظار" کے ہیں، نہ دوام بقا کے ہیں، نہ عدم فنا کے ہیں، "نہ رہنا ہوگا" کے ہیں،

المکث اللبث والانتظار (منتہی الارب و صحاح) مکث کے معنی ٹھہرنا اور انتظار کرنا،

حضرت موسیٰ نے آتش طور دیکھکر اپنے اہل بیت سے یہی لفظ فرمایا،

قال لاہلہ امکثوا، (طہ و قصص) کہا کہ تم یہاں ٹھہر کر انتظار (مکث) کرو،

کیا اس سے یہ مطلب سمجھا جائے کہ بس یہیں تم کو ہمیشہ رہنا ہے، آگے کی آیت سے اس بحث کا فیصلہ ہی ہوا جاتا ہے، حضرت سلیمان کے قصہ میں ہدہد کے متعلق ہے،

فمکث غیر بعید (نمل) تو ہدہد نے تھوڑی دیر توقف (مکث) کیا،

غور کیجئے کہ مکث، غیر بعید اور قلیل مدت کے لیے قرآن پاک نے استعمال کیا ہے، اب حافظ صاحب اپنے دعوی عدم فنا اور بقائے دوام پر اسی آیت مکث سے ثبوت لانے پر مزید تامل فرمائیں،

کیا قرآن میں دوزخ و جنت کے خلود اور ابدیت کے یکساں الفاظ استعمال ہوئے ہیں،

دوزخ کے بالآخر فنا کے متعلق مؤلف نے جو پہلو اختیار کیا ہے اوسکی نسبت حافظ صاحب کی طرح اس کا یہ دعوی نہیں ہے کہ جزماً یہی قرآن کی تعلیم ہے، اور نہ یہ کہ اس کے سوا اس سے متعلق اور تمام نظریات غلط ہیں، اور نہ یہ کہ تمام مسلمانوں یا اہل سنت کا یہی مسلک ہے، بلکہ صاف تصریح کردی ہے کہ یہ صرف ان لوگوں کے خیالات کی تشریح ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت عمومی کے قائل ہیں، انہیں سے ما… ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم دو صاحب ہیں جن کی کتابوں کا حوالہ مؤلف نے حاشیہ میں دیدیا ہے، (دیکھئے سیرۃ جلد چہارم صـ…)

بہرحال ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ مدعی کے اس دعوی میں کہاں تک صداقت ہے کہ

"قرآن میں (جنت و دوزخ) دونوں کے لئے خلود اور ابدیت کے الفاظ یکساں استعمال ہوئے ہیں" (صـ ۳۹۳)

اگر معترض سیرت مذکور کو غور سے پڑھتا تو اس کو اس دعوی کی جرأت نہ ہوتی، لیکن چونکہ اس نے یہ دعوی کیا ہے اس لیے تھوڑی تنبیہ کی ضرورت ہے،

۱- ابھی وہ آیت گذری ہے جس کو معترض نے دوزخ کے دوام عذاب کے ثبوت میں پیش کیا ہے

قال انکم ماکثون (زخرف) (دوزخ کا مالک دوزخیوں سے کہیگا کہ) تم ابھی ٹھہرنے رہنے والے ہو

دیکھئے کہ اس میں مکث (ٹھہراؤ) کے علاوہ دوام کا کوئی لفظ نہیں ہے، لیکن یہی لفظ جب اہل جنت کیلئے استعمال کیا گیا تو یوں فرمایا گیا،

ان لہم اجرا حسنا ماکثین فیہ ابدا، (کہف ۱)

ایماندار نیکوکاروں کے لئے اچھی مزدوری ہے جس میں وہ ہمیشہ ٹھہرینگے

۲- گنہگاروں کے لئے کہا گیا،

ان الذین کفروا من اھل الکتاب و	بیشک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنھوں نے کفر کیا
المشرکین فی نار جھنم خلدین فیھا،	وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے،

لیکن اہل ایمان صالحین کے لیے اسی کے بعد اور اسی کے بالمقابل یہ ہے،

ان الذین امنوا وعملوا الصلحت۔۔۔	بیشک جو ایمان لائے اور نیک کام کئے۔۔۔۔
۔۔۔جزاؤھم عند ربھم جنت	۔۔۔۔۔ان کا بدلہ ان کے پروردگار کے ہاں
عدن تجری من تحتھا الانھر خلدین	اقامت کے باغ ہیں، جن میں وہ سدا کو ہمیشہ
فیھا ابدا، (البینہ)	ہمیشہ رہیں گے،

کون کہہ سکتا ہے دونوں کے قیام و دوام کی ایک حیثیت ہے،

یہ لغت میں اپنی جگہ پر ثابت ہو چکا ہے کہ تنہا خلود کے معنی "قیام طویل" کے ہیں، دوام ہمیشگی اور عدم انقطاع کے نہیں ہیں، اسی لئے ہمیشگی کے ثبوت کے لیے قرآن پاک میں خلود کے ساتھ ابد کا لفظ لایا گیا ہے، قرآن پاک میں صرف تین جگہ اہل جہنم کے لئے خلود کیساتھ ابد کا لفظ آیا ہے، اور تینوں جگہ کفار و مشرکین کیلئے ہے، سورہ جن میں رد شرک کے سلسلہ میں ہے،

ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار	اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا تو بیشک
جھنم خلدین فیھا ابدا، (جن)	اسکے لیے جہنم کی آگ ہے اس میں ہمیشہ رہیگا،

دوسری جگہ کفار کے متعلق ہے،

ان اللہ لعن الکفرین واعد لھم سعیرا	بیشک اللہ نے کافروں پر لعنت کی اور ان کے لئے
خلدین فیھا ابدا، (احزاب ۸)	بھڑکتی آگ تیار کی، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے،
ان الذین کفروا وظلموا لم یکن	بیشک جنھوں نے کفر کیا اور گناہ کیا نہیں ہے کہ خدا انکو
اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم طریقا	بخشے، اور نہ یہ کہ ان کو راہ دکھائے، لیکن جہنم کی راہ

الا طریق جھنم خلدین فیھا ابدا (نساء ۲۳)	ہمیشہ اس میں رہیں گے،

اہل جنت کے لئے "خالدین ابدا" کے الفاظ قرآن پاک میں آٹھ مقام پر ہیں،

۱۔ والذین امنوا وعملوا الصلحت سندخلھم	۱۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ہم ان کو ان جنتوں
جنات تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا	میں داخل کریں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی،
ابدا، (نساء ۸)	ہمیشہ وہ ان میں رہیں گے،
۲۔ ھذا یوم ینفع الصدقین صدقھم	۲۔ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو انکی سچائی فائدہ دیگی،
لھم جنت تجری من تحتھا الانھار خلدین	ان کیلئے وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ
فیھا ابدا (مائدہ ۱۶)	ان میں ہمیشہ رہیں گے،
۳۔ والذین امنوا وعملوا الصلحت سندخلھم	۳۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ہم ان کو ان جنتوں
جنت تجری من تحتھا الانھار خلدین فیھا	میں داخل کریں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان
ابدا، (نساء ۱۸)	میں ہمیشہ رہیں گے،
۴۔ یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان	۴۔ اُن کا پروردگار ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی اور
وجنات لھم فیھا نعیم مقیم خلدین	اُن جنتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے
فیھا ابدا۔ (توبہ ۳)	قائم رہنے والی نعمت ہے، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے،
۵۔ واعد لھم جنت تجری تحتھا	۵۔ اور اللہ نے ان کے لیے وہ جنتیں مہیا کی ہیں جنکے نیچے
الانھر خلدین فیھا ابدا، (توبہ ۱۳)	نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے،
۶۔ ومن یؤمن باللہ ویعمل صلحا یکفر	۶۔ اور جو خدا پر ایمان لایا اور اچھا کام کیا، اللہ اسکے گناہوں
عنہ سیاتہ ویدخلہ جنت تجری	کو اتاریگا اور اس کو ان جنتوں میں داخل کریگا جنکے نیچے
من تحتھا الانھر خلدین فیھا ابدا (تغابن ۱)	نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے،

۷- وَمَن يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا، (طلاق - ۲)

۷- اور جو اللہ پر ایمان لائیگا اور اچھا کام کریگا، وہ اس کو ان جنتوں میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں بہتی ہونگی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے،

۸- جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (بینہ)

۸- ان کا بدلہ اُن کے پروردگار کے ہاں اقامت کے باغ ہیں، جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے،

اب بھی کہا جائے گا کہ قرآن میں دونون کے لیے خلود اور ابدیت کے الفاظ یکساں استعمال ہوئے ہیں، ایک اور آیت نقل کیجاتی ہے جسمیں دونوں کا فرق نمایاں ہوگا، دوزخیوں کی نسبت فرمایا،

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا

یہ وہ لوگ ہیں جنکا ٹھکانا جہنم ہے، اس سے وہ نکل بھاگنے کی جگہ نہ پائیں گے،

اسی کے بعد اہل بہشت کے لیے ہے،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا، (نساء - ۱۸)

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کو ہم ان جنتوں میں داخل کرین گے، جنکے نیچے نہرین بہتی ہیں، ان مین وہ ہمیشہ رہینگے خدا کا وعدہ ہے سچا، اور کون خدا سے زیادہ سچ بولیگا،

کیا دونوں کے دوام و بقا کی یکساں تصویر ہے؟ پہلی آیت مین اسی قدر ہے کہ اہل دوزخ، دوزخ سے (اپنے عذاب کی حالت مین) کہین بھاگنے کی جگہ نہین پائین گے، لیکن دوسری مین دیکھو جو اسی سے متصل ہے کہ اہل بہشت کے لیے پہلے خلود فرمایا ہے، پھر ابد فرمایا، پھر فرمایا یہ خدا کا وعدہ ہے، پھر فرمایا وعدہ بھی سچا ہے، پھر فرمایا کہ خدا سے زیادہ سچی بات کسکی ہوگی؟ کیا یہی دونون کی یکسانی ہے؟

بہشت کے لیے بار بار کہا گیا کہ اس کی نعمت اور اجر کا کبھی انقطاع نہ ہوگا، فرمایا،

۱- اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ، (تین)

۱- لیکن جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو اُن کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے،

۲- عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ، (ہود - ۹)

۲- (بہشت کی نعمت) نہ ختم ہونے والی بخشش ہوکر،

۳- اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا، (رعد - ۵)

۳- بہشت کے پھل اور اسکا سایہ دائم ہونگے،

۴- وَفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ، (واقعہ - ۱)

۴- (بہشت کے) بہت سے میوے نہ ختم ہونے والے اور نہ روکے جانے والے،

۵- اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا، (کہف - ۱)

۵- بیشک ان (اہل بہشت) کے لیے اچھی مزدوری ہے، جس مین وہ ہمیشہ ٹھہرے رہیں گے،

۶- فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ (مومن ۵)

۶- تو وہ جنت مین داخل ہونگے اور بے حساب رزق دیے جائینگے،

۷- اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ، (صٓ)

یہ ہمارا وہ رزق ہو گا جس کے لیے ختم ہونا نہیں،

۸- لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ، (حجر - ۴)

۷- ان (اہل بہشت) کو اس مین نہ تکان ہوگی اور نہ اس سے وہ نکالے جائیں گے،

کیا عذاب دوزخ کے دوام و بقا و عدم انقطاع کی نسبت اس قسم کا ایک لفظ بھی قرآن پاک میں موجود ہے اور اگر ہے تو مین اس کے لئے تحدی کرتا ہون کہ پیش کیا جائے،

اہل دوزخ میں سے کفار کے لیے تین چار جگہ یہ لفظ ہین، کہ وہ اس مین سے نکل بھاگنا چاہین گے مگر نکل نہین سکینگے

۱- وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا، كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ، وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ، (بقرہ - ۲۰)

۱- اور جنھون نے پیروی کی وہ کہیں گے کہ کاش ہمکو دوبارہ دنیا مین لوٹنا ہو تو ہم ان سے اسی طرح علحدہ ہوجائینگے جیسے وہ ہم سے علحدہ ہوگئے، ایسا ہی اللہ اُن کے کامون کو ان پر حسرت کرکے دکھائیگا، اور وہ آگ سے نکل نہ سکین گے،

۲- اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا .... ۲- بیشک جنھوں نے کفر کیا، ....

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَ — وہ چاہیں گے کہ دوزخ سے نکلیں وہ دوزخ سے نکل

مَا ھُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنْھَا وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ (مائدہ ۶) — نہیں سکتے، اور ان کے لیے اس میں قائم عذاب ہے،

۳- کُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَا مِنْ غَمٍّ — ۳- جب جب چاہینگے کہ اس سے نکلیں گھٹنے کے سبب

اُعِیْدُوْا فِیْھَا، (حج ۲) — وہ اس میں لوٹا دیے جائیں گے،

۴- کُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَا اُعِیْدُوْا — ۴- جب جب چاہیں گے کہ اس سے نکلیں وہ اس میں لوٹا

فِیْھَا وَقِیْلَ لَھُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ — دیئے جائیں گے، اور کہا جائیگا کہ اس آگ کا مزہ چکھو

الَّتِیْ کُنْتُمْ بِهٖ تُکَذِّبُوْنَ، (سجدہ ۲) — جس کو تم جھٹلاتے تھے،

۵- فَالْیَوْمَ لَا یُخْرَجُوْنَ مِنْھَا، (جاثیہ ۴) — ۵- تو آج وہ اس سے نہیں نکالے جائیں گے،

۶- اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ یَّصْلَوْنَھَا یَوْمَ — ۶- بیشک گنہگار دوزخ میں ہونگے، جزا کے روز وہ اس میں

الدِّیْنِ وَمَا ھُمْ عَنْھَا بِغَائِبِیْنَ، (انفطار) — داخل ہونگے، وہ اس دوزخ سے چھپ نہیں سکتے،

پہلی چار آیتوں میں ہے کہ اہلِ دوزخ، دوزخ سے نکل بھاگنا چاہیں گے، مگر وہ نکل کر بھاگ نہیں سکتے، پانچویں میں ہے کہ آج اوس سے نہیں نکالے جائیں گے، باوجود اس کے کہ تصریحاً یہ آیات کفار و مشرکین کے متعلق ہیں جن کی حالت دوسری ہے، بااینہمہ ان میں سے کسی آیت میں یہ بھی نہیں کہ خود اللہ تعالیٰ بھی ان کو اس سے کبھی نہیں نکال سکتا، یا نہیں نکالیگا، جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ یہ اہل دوزخ عذاب کی سختی سے گھبرا کر یا دوبارہ دنیا میں آنے کے لیے دوزخ سے نکل بھاگنا چاہیں گے، مگر وہ نکل نہ سکیں گے، آخری آیت کا منشا یہ ہے کہ دوزخ سے چھپکر غائب نہیں ہو سکتے،

اب اس کے مقابل میں اہل بہشت کا حال ملاحظہ کیجئے، کہ وہ اوّل تو خود بہشت سے نکلنا نہیں چاہیں گے،

خَالِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا (کہف ۱۲) — وہ جنت میں رہا کرینگے، اس سے منتقل ہونا نہ چاہیں گے،

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس سے نکال دے تو اس کے لئے بھی وعدہ ہو چکا ہے،

وَمَا ھُمْ مِّنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ، (حجر ۴) — اور وہ جنت سے نکالے نہیں جائینگے،

اب ذرا دونوں کا مقابلہ کیجئے، دوزخ کے متعلق یہ ہے کہ گنہگار اس سے نکل بھاگنا چاہیں گے، مگر نکل نہ سکیں گے، اس سے خاموشی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ بھی ان کو اس سے نکالیگا یا نہیں، مگر اہل بہشت کے لیے یہ تصریح ہے کہ وہ نہ خود نکلنا چاہیں گے اور نہ وہ اس سے بدر کئے جائیں گے،

کیا پھر کہا جائیگا کہ قرآن نے دونوں کی ابدیت کی یکساں حالت بیان کی ہے،

اب آخری بات عرض ہے کہ دوزخ اور جنت دونوں سے نکلنے کی حد اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت ظاہر فرمائی ہے، لیکن دوزخ کے لیے اپنی مشیت کی تصریح نہیں کی کہ وہ کیا ہے؟ لیکن بہشت کے لیے کر دی ہے، کہ وہ غیر منقطع ہوگی، اہل دوزخ کے لئے فرمایا،

۱- اَلنَّارُ مَثْوٰکُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اِلَّا مَا شَآءَ — ۱- آگ تمہارا ٹھکانا ہے جس میں رہا کروگے لیکن جو اللہ چاہے

اللّٰہُ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ، (انعام ۱۵) — بیشک تیرا رب حکمت والا علم والا ہے،

۲- فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَھُمْ فِیْھَا — ۲- لیکن جو بدنصیب ہوئے تو وہ دوزخ میں، اسمیں ان کا

زَفِیْرٌ وَّشَھِیْقٌ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا مَا دَامَتِ — چیخنا اور دھاڑنا ہوگا (گدھوں کی طرح) رہینگے وہ ہمیشہ اسمیں رہینگے

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ — جبتک آسمان و زمین ہیں، لیکن جو تیرا پروردگار چاہے، بیشک

اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ، (ھود ۹) — تیرا پروردگار جو چاہے کر گذرنے والا ہے،

آپ نے دیکھا کہ ان دونوں آیتوں میں عذاب دوزخ سے نکلنے کی حد اور انتہا اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت قرار دی ہے لیکن اپنی مشیت نہیں ظاہر فرمائی، پہلی آیت میں صرف یہ فرمایا کہ "بیشک تیرا پروردگار حکمت اور علم والا ہے" یعنی اس کی حکمت اور علم کا جو مقتضا جس کے متعلق ہوگا وہ کریگا، اب دیکھئے کہ اسی کے بعد اسی کے بالمقابل اہل جنت کیلئے کیا ارشاد ہوتا ہے،

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ — اور لیکن جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت میں رہیں گے،

فِیْھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا — جب تک آسمان وزمین ہیں، لیکن جو تیرا پروردگار چاہے

مَاشَآءَ رَبُّکَ ، عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ، — نہ ختم ہونے والی بخشش ہوگی (ہود-۱۰)

اہل بہشت کے دوام کی حد اور انتہا بھی اپنی مشیئت ظاہر فرمائی، مگر فوراً ہی معاً بعین پر اپنی مشیئت کا قطعی اعلان فرمادیا کہ "غیر منقطع اور نہ ختم ہونے والی بخشش"

کیا اب بھی کہا جائیگا کہ "قرآن میں دونوں کے لئے خلود و ابدیت کے الفاظ یکسان استعمال ہوئے ہیں"

قرآن پاک مین اہل دوزخ کے لیے ہے،

لَابِثِیْنَ فِیْھَا اَحْقَابًا ، (نسا) — وہ اس دوزخ میں صدہا سال پڑے رہیں گے،

"حقب" کے معنی بعض اہل لغت نے ۸۰ سال اور بعضوں نے مطلق غیر متعین وقت لکھے ہیں، مگر بہرحال اس کے معنی دوام کے نہیں ہیں، کہ یہی لفظ حضرت موسیٰ کے قصہ میں ہے، جہاں ظاہر ہے کہ دوام و ابد مقصود نہیں ہو سکتا،

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰہُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰی — اور موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہ آؤنگا

اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ، — یہاں تک کہ دونوں دریاؤن کے سنگم تک چلون یا

(کہف ۹) — سالہا سال (حقب) تک چلتا رہوں،

اور عرب جاہلیت کے کلام میں ہے،

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ — من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

اور ہم جذیمہ کے دونوں ساتھیوں کی طرح زمانہ تک رہے، یہاں تک کہ کہا گیا کہ اب یہ دونوں جدا نہ ہونگے

کیا اہل بہشت کے لیے بھی اس انتہا کی خواہ وہ کسی قدر طویل مدت ہو حضرت مدعی کوئی آیت قیامت تک پیش کرسکینگے

کیا اب بھی کہا جائیگا کہ "قرآن مین دونوں کے خلود و ابدیت کے الفاظ یکسان استعمال ہوئے مین"

حدیث کے دین ثابت کرنے کا الزام حافظ صاحب لکھتے مین،

"مقدمہ کتاب میں منصب نبوت پر بحث کرتے ہوئے سید صاحب (سید سلیمان ندوی) نے ان تمام

تاویلوں (؟) کو جو حدیث کو دین (؟) ثابت کرنے کے لئے کی گئی ہیں، نہایت بسط و تفصیل اور قوت و زور کے ساتھ بیان کیا ہے"

اول تو مؤلف کی طرف سے منکر حدیث معترض کی خدمت میں شکریہ پیش ہے کہ اس نے بھی مؤلف کے "نہایت بسط و تفصیل اور قوت اور زور" کو تسلیم کرلیا، مگر ہم کو اختلاف اس نتیجہ سے ہے کہ اس "بسط و تفصیل اور زور و قوت کے ساتھ" مؤلف نے یہ ثابت کیا ہے کہ "حدیث دین ہے" بلکہ جو کچھ اس "بسط و تفصیل اور زور و قوت کیساتھ" جیسا کہ معترض نے خود سیرت کی عبارت نقل کی ہے مؤلف نے ثابت کیا ہے، یہ ہے، کہ

"وحی (قرآن) اور ملکہ نبوت (احادیث) دونوں کے احکام واجب الاتباع ہیں"

واجب الاتباع ہونا اور بات ہے، اور دین ہونا اور بات ہے، سیرت میں "الدین" پر مفصل بحث موجود ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کی اصطلاح میں "الدین" کیا ہے، کیا اس الزام تراشی میں صداقت کا ایک ذرہ بھی ہے؟

ملکہ نبوت مؤلف نے اس سلسلہ مین متکلمین کی اصطلاح ملکہ نبوت کی تشریح کی ہے، اور بتایا ہے کہ اس سے ان کا مقصود کیا ہے؟ اور بدلائل ثابت کیا ہے کہ نبی کو دو چیزیں ملتی ہیں، ایک تو "علم و حکمت اور فہم و شرح صدر" ہے، جو نبوت کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لیے نبی کو عنایت ہوتی ہے، اور کبھی اس سے منفک نہیں ہوتی، اور دوسری چیز "وحی" ہے جو وقتاً فوقتاً اس کو ملتی ہے، نبی اپنے ان دونوں ربانی ذریعوں سے ہم کو حکم دیتا ہے، اور ہم پر ان دونوں کا اتباع واجب ہے،

حافظ صاحب اور ان کے ہم خیالوں کا دعویٰ یہ ہے کہ نبی کو صرف وحی ملتی ہے جو قرآن ہے، اور صرف اسی کی پیروی لازم ہے، اس کے علاوہ پیغمبر کو کوئی نبوی علم و حکمت اور پیغمبرانہ فہم و شرح صدر نہیں ملتی جس کی پیروی کیجائے اس لئے قرآن پاک سے باہر جو آنحضرت صلعم کے احکام و اقوال و افعال ہیں ان کی پیروی ناجائز اور گمراہی ہے، یہی عام مسلمانوں اور اس جدید نو پیدا فرقہ کے درمیان سب سے بڑا فرق ہے،

اس سلسلہ مین معترض مؤلف پر حسب ذیل اعتراض کرتا ہے کہ

"متکلمین کی یہ اصطلاح ملکہ نبوت غلط فہمی میں ڈالنے والی ہے کیونکہ اس سے ذہن قوت اور مہارت

کی طرف جاتا ہے، جو ورزش اور کسب سے حاصل ہوتی ہے، حالانکہ نبوت خالص وہبی نعمت ہے، جس میں ذرا بھی کسب کو دخل نہیں"۔

پھر اس امر پر کہ نبوت کسب نہیں، قرآن کی آیتوں سے استدلال کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ معترض نے سیرت کے پورے مقدمہ کو پڑھنے کی تکلیف گوارا نہیں کی ہے، اس مقدمہ کے ابتدائی بڑے حصہ میں یہی بات تو ثابت کی گئی ہے کہ نبوت وہبی نعمت ہے، کسبی نہیں، امام غزالی وغیرہ جنھوں نے ملکۂ نبوت کی اصطلاح اختیار کی ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں

"نبوت . . . . . عطیۂ الٰہی اور موہبت ربانی ہے، سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے . . . . ." (سیرت چہارم ص بحوالۂ معارج القدس غزالی)

معترض نے جو الزام قائم کرنا چاہا ہے، اہل نظر فیصلہ کریں کہ کیا وہ صحیح ہے؟ کیا معترض نے ان فقروں میں کہ الزام قائم کرنے کی یہ صریح کوشش نہیں کی ہے کہ مؤلف سیرت اور دوسرے متکلمین نبوت کو وہبی نہیں، بلکہ کسب و محنت کا نتیجہ کہتے ہیں، استغفر اللہ!

اب مؤلف سیرت نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سن لیجئے

"گذشتہ مباحث سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ نبی میں علم و فہم کے تین ذریعے ہیں، وحی، ملکۂ نبوت، اور عام عقل بشری، ان میں سے اول و آخر کے ثبوت کے لیے اب کسی استدلال کی ضرورت نہیں . . . . .

لیکن اب تک ہم نے دوسری چیز یعنی ملکۂ نبوت کے لئے کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ کہنی ہے کہ جن علماء نے اس کی حقیقت ظاہر کی ہے انھوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے لئے الگ الگ اصطلاحیں قائم کی ہیں، مگر مفہوم و معنی کے لحاظ سے وہ دراصل ایک ہیں، سلف صالحین میں سے بعض نے اس کو القاء فی الروع (دل میں ڈالنا) نبی کی حکمت قلبیہ توفیق ازلی، اور قوت تبیین سے تعبیر کیا ہے، امام غزالی و امام رازی اور دوسرے متکلمین نے اس کو ملکۂ نبوت سے ادا کیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب اور علمائے اصول نے اس کو پیغمبرانہ قوت اجتہاد کہا ہے، اور صوفیہ کی عام پسند

اصطلاح میں اس کو علم لدنی کہا جاتا ہے، مگر ان سب کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں، یعنی نبی کے اندر کی وہ پیغمبرانہ قوت جو بشری عقل سے فوق ہے، اور جس کے ذریعہ سے وہ وحی کی تشریح، اسرار شریعت کا بیان اور دقائق حکمت کی اپنی زبان سے توضیح کرتا ہے"۔

وحی متلو و غیر متلو

اس کے بعد مؤلف نے قرآن پاک کی آیتوں سے پیغمبروں کی اس ربانی قوت علمی و اجتہادی کی تشریح کی ہے، اور بتایا ہے کہ احادیث و احکام نبوی کا سرچشمہ پیغمبر علیہ السلام کی یہی ربانی قوت علمی ہے جس کو قرآن نے علم و حکمت و فہم و شرح صدر و وارث وغیرہ الفاظ سے ادا کیا ہے، پیغمبر اپنے اس ربانی علم اور پیغمبرانہ فہم کے ذریعہ سے وحی کی تشریح کرتا ہے، یہ تشریح لفظاً گو وحی نہیں کہی جاسکتی، مگر اس معنی کر کے کہ اس تشریح میں جو بات بیان کی گئی ہے، اس کے معنی وحی الٰہی کے اندر موجود ہیں، اس لئے اول کو فقہا اور علمائے اصول کی اصطلاح میں وحی متلو (وہ وحی جو قرآن میں مندرج ہے اور جس کی تلاوت کی جاتی ہے کیونکہ وہ معنی کے علاوہ لفظاً بھی وحی ہے) اور دوسری کو وحی غیر متلو (یعنی وہ تعلیم ربانی جو قرآن میں لفظاً مذکور نہیں اور جو صرف معناً وحی ہے) کہتے ہیں، ایک مثال عرض ہے، قرآن میں حکم ہے،

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا، چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹو،

یہ وحی متلو ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلعم کی خدمت میں آکر ایک سرقہ کی واردات کا مقدمہ پیش کرتا ہے، آپ پہنچے سے اسکا ایک ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے ہیں، یہ حدیث نبوی ہے، جس سے یہ تشریح معلوم ہوئی کہ چور کے جس ہاتھ کو کاٹنے کا حکم وحی الٰہی نے دیا ہے، اس کا اطلاق پہنچے تک کے ہاتھ پر ہے، کہنی تک یا بغل تک ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا، یہ علم رسول کی اس پیغمبرانہ عقل و حکمت سے معلوم ہوا، جو دوسری بشری عقلوں کی فہم و بصیرت سے بالاتر اور معصوم تر ہے، اور اسی لئے وہ ہمارے لئے واجب الاتباع ہے،

وحی متلو اور غیر متلو کی اصطلاح مؤلف نے پیدا نہیں کی ہے، بلکہ علمائے اصول نے پیدا کی ہے، مؤلف کا صرف یہ جرم ہے کہ اس نے اس اصطلاح کی موزوں تشریح کر دی ہے،

نزول کتاب و حکمت

منکر حدیث کی حیثیت سے حافظ صاحب نے مؤلف کے اس قول پر اعتراض کیا ہے،

"آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال جن کے اصطلاحی نام احادیث و سنن ہیں، کتاب الٰہی کی علمی و زبانی تشریحات ہیں، کتاب الٰہی وحی ربانی کا نتیجہ ہے، اور احادیث و سنن سینۂ نبوی کی طمانۂ حکمت کا۔" ص ۱۲۵

معترض کہتا ہے،

"اب قرآنی آیات کو دیکھئے کہ کس قدر واضح اور صاف ہیں، دو جملوں میں حقیقت سامنے آجاتی ہے،

وَاَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۴/۱۱۳ اور اللہ نے تیرے اوپر کتاب اور دانشمندی کی باتیں اتاریں

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۲/۱۲۹ اور رسول انکو کتاب اور دانشمندی کی تعلیم دیتا ہے،

دونوں منزل، دونوں من جانب اللہ، اور رسول کا فریضہ تعلیم و تبلیغ،

مؤلف کو معترض سے حرف بحرف اتفاق ہے، مگر ان آیتوں میں دو چیزوں کا ذکر ہے، ایک تو کتاب کا اور دوسری حکمت (دانشمندی) کا، کتاب تو ہم سمجھے کہ اس سے مراد کتاب الٰہی یعنی قرآن ہے، لیکن دوسری چیز حکمت جو رسول پر اتری تھی وہ کیا ہوئی؟ کیا مسلمانوں نے کھودی، یا محفوظ ہے، اگر محفوظ ہے تو کتاب کے بعد وہ چیز کیا ہے؟

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ رسول پر دو چیزیں اتریں اور اس نے ہم کو دو چیزیں سپرد کیں ایک کتاب الٰہی اور دوسری حکمت ربانی، یہ حکمت ربانی رسول پر اتری، اور اس کے ذریعہ اس نے حکمت کی باتیں خدائی الہام سے پائیں، اور مسلمانوں کو سکھائیں جس طرح قرآن رسول کے قلب پر اترا جیسا کہ قرآن میں ہے، یہ حکمت ربانی بھی رسول کے سینہ میں اتری اور رسول نے اسکی تعلیم و تبلیغ کی،

فللّٰہ الحمد میانِ من و او صلح فتاد

رسول سے صحابہ نے، اور صحابہ سے تابعین نے اس حکمت کو پایا، اور سینوں اور سفینوں میں اس کو محفوظ کردیا،

اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ نے احادیث کی تحریر و کتابت کا حکم کیوں نہیں دیا جواب یہ ہے کہ شروع میں اس وقت تک ان کے لکھنے سے ممانعت فرمائی جب تک کتاب الٰہی کی حفاظت کا پورا سامان نہ فرمالیا جب یہ خدشہ جاتا رہا تو لکھوایا بھی، لکھوا کر بھیجا بھی، اور لکھنے کا حکم بھی دیا تفصیل کے لیے تدوین حدیث پر مؤلف کے مضامین مطالعہ

اور احادیث و سنن کی طرف خود رجوع فرمائیے،

کسی چیز کی اشاعت اور حفاظت کا ذریعہ صرف تحریر و کتابت نہیں، زبانی یاد رکھنا بھی ہے، کیا کوئی یہ ثابت کرسکتا ہے کہ صحابہ نے اور خلفاء نے احادیث کی روایت نہیں کی، اور ان کے مطابق مقدمات کے فیصلے اور احکام نہیں جاری کئے؟ اور اگر کئے تو آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد آپ کون ہیں جو اسلام سے اُن کو خارج کریں، حافظ اسلم صاحب قرآن کا جو مطلب بیان کریں اور وہ ہم تک ان کے کسی شاگرد رشید کے ذریعہ پہنچے تو اسکی تقلید ضروری لیکن اگر رسول یا خلفاء، یا صحابہ کے شاگردوں کے ذریعہ پہنچے تو بقول ان کے دین سے خارج، اگر قرآن کے کسی حکم میں کوئی خفا ہو تو اسکی جو تفسیر آپ اپنے فہم سے کریں وہ داخل دین، لیکن اگر خود رسول نے اپنے قول یا فعل سے اسکی تفسیر کردی تو دین سے خارج!

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

رسول اور قرآن قرآن نے ہمارے سامنے دو چیزیں پیش کی ہیں،

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ (آل عمران ۱۰) اور تم کیونکر کفر کرتے ہو، درانحالیکہ تم کو اللہ کی باتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، اور تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے،

اب اگر صرف آیات اللہ یعنی قرآن منع کفر و ضلالت کے لیے کافی تھا تو امت کے اندر رسول کی موجودگی کا حوالہ خدا نے کیوں دیا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی ہدایت کے لئے دو چیزیں ہیں، ایک کتاب اللہ اور دوسری رسول کی ہستی جس نے قول و عمل اور تعلیم و تزکیہ سے ہم کو ہدایت کی راہ دکھائی، اور یہ وہ واقعہ ہے "جسکی صداقت آفتاب کی طرح روشن ہے جس سے آسمان انکار کرسکتا ہے، نہ زمین"

مؤلف کے بعض فروعی اغلاط حقیر مؤلف کے اصولی اغلاط کے علاوہ اس کے بعض فروعی اغلاط کا نشان بھی دیا گیا ہے، کوئی مصنف اپنی نسبت عصمت کا دعویٰ نہیں کرسکتا، مگر کاش کہ اس پر صحیح حرف گیری کیجائے،

مؤلف نے لکھا تھا کہ "اتنا ہر ذی عقل تسلیم کریگا کہ انبیاء علیہم السلام کے روحانی مدارج و مراتب شہداء سے بہر حال افضل ہیں، الغرض ہے کہ یہ قیاس کا محل نہیں نص پیش کرو، عرض ہے،

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ — تو وہ ان لوگون کے ساتھ ہونگے جنپر خدا نے انعام کیا

مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ — یعنی انبیاء، صدیق، شہید اور نیک لوگ،

وَالصّٰلِحِیْنَ، (نساء - ۹)

یہ انبیاء، پھر صدیقین، پھر شہداء، پھر صالحین کی ترتیب فضیلت کی کھلی ہوئی آیت ہے، اگر شہداء کے معنی معترض کو شبہہ پیدا ہو تو اس کا حل بھی قرآن مین ہے،

حافظ صاحب کہتے ہین کہ مؤلف نے حسب ذیل آیت کا غلط ترجمہ یہ کیا ہے، (۳۹۲ جامعہ)

رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ۱۶/۳۸ — اے ہمارے پروردگار ہمارے لیے چھٹی روز حساب سے پہلے کر دے،

اس ترجمہ کا حوالہ سیرت نبوی کے ص۵۹۳ کا دیا گیا ہے، تمام دنیا دیکھ سکتی ہے کہ اس صفحہ پر حسب ذیل ترجمہ ہے،

"اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے ہماری چٹھی روز حساب سے پہلے جلد کر دے"

یہ تحریف کس نے کی؟ کہا جاتا ہے کہ مؤلف نے اس مین یہ غلطی کی ہے کہ "قط" کا ترجمہ "چھٹی" کیا ہے، "قط" کے معنی چھٹی کے نہین بلکہ حصے کے ہین"، (ص۳۹ جامعہ) گذارش ہے کہ "قط" کا ترجمہ "چھٹی" (چھ ٹ ی) نہین کیا گیا بلکہ چٹھی (چ ٹھ ی) کیا گیا ہے، قط کے معنی "فرد حساب" کے ہیں، جس کو عام لوگ "چٹھا" کہتے ہین، مؤلف نے اردو میں بقول آپ کے "اردو کے بہترین اور مستند ترین ترجمہ" یعنی شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمہ کی پیروی کی ہے،

"اور کہتے ہیں اے رب شتاب کر دے ہم کو چٹھی ہماری پہلے حساب کے دن سے" (ص - ۲)

چٹھی اور چھٹی مین ط کی جگہ کا ذرا سا فرق ہے، کتاب کے چھپنے میں ط کا نشان اپنی جگہ سے ذرا ہٹ گیا ہے،

ع عاقلان نے نقطہ نمی رونند،

سب سے آخر مین یہ الزام لگایا گیا ہے کہ

"ملکہ سبا بلقیس کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ وہ جنتنی کے شکم سے تھیں، سیرت ص۲۰۲، کاش سید صاحب کا قلم ایسی فضول بات سے آلودہ نہ ہوا ہوتا"

اگر مؤلف نے یہ لکھا ہے تو خدا نے بھی یہ کہا ہے کہ "حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں"، اب کیا حافظ صاحب کو خدا پر بھی اعتراض ہے، معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب نے اعتراضات کی فراہمی میں کتاب کی صرف ورق گردانی کی ہے، کتاب پڑھی نہیں ہے، مؤلف نے اپنا عقیدہ یہ نہیں لکھا ہے، بلکہ عرب جاہلیت کے قبل از اسلام بیہودہ خیالات اور باطل اوہام کی تشریح میں اس کا ذکر کیا ہے، پہلے عرب شاعر کا یہ شعر لکھا ہے،

قاتل اللہ بنی السعلاۃ — خدا سعلاۃ (جنتنی) کے بیٹوں کو ہلاک کرے،

اس کے نیچے اس کی شرح مین لکھا ہے کہ "بلقیس ملکہ یمن سعلاۃ ہی کے پیٹ سے تھی" یعنی اہل عرب کے زعم باطل مین، افسوس ہے کہ حافظ صاحب نے یہ نہین دیکھا کہ یہ بیان کس باب کے نیچے ہے، کاش کہ حافظ صاحب کا قلم ایسی فضول بات سے آلودہ نہ ہوا ہوتا،

مواعظ | حافظ صاحب کو گلہ ہے کہ اس میں کہیں کہیں مؤلف کے "مواعظ" آ گئے ہیں، مثلاً خدا کی محبت کا بیان، جو ص۲۱۲ سے ص۳۴۴ پر جا کر ختم ہوا ہے، جس کو انھون نے اگر اپنی کسی صوفیانہ تصنیف کے لیے محفوظ رکھ لیا ہوتا تو بہتر ہوتا، میں معترض کے طرز بیان کی رکاکت کو چھوڑ کر اس کے علم کے لئے کہتا ہون کہ یہی وہ "مواعظ" ہیں، جنھون نے کئی نوجوانون کو عیسائی ہونے سے بچایا ہے، اور یہ اگر وعظ ہے، تو سارا قرآن وعظ ہے، اس سے بھی ہاتھ اٹھا لیجئے،

اجنّہ | اعتراض ہے کہ مؤلف نے سیرت میں "جن" کی جمع کے لئے لفظ "اجنّہ" استعمال کیا ہے، حالانکہ عربی لغت کے رو سے یہ صحیح نہیں، اور اس پر ایک آیت سے بھی استدلال کیا ہے کہ جن کی جمع اجنّہ استعمال کرنا قرآن کے رو سے ناجائز ہے!

مؤلف کو اس غلطی کا اعتراف ہے، اگر عرض اتنی ہے کہ اس غریب نے کتاب اردو مین لکھی ہے، عربی میں نہیں، اگر عربی میں لکھتا تو شاید حافظ صاحب کو بھی اعتراف ہوگا کہ اُن سے بہتر لکھتا، لیکن بدقسمتی سے وہ اردو میں لکھی گئی ہے، اردو کے بعض عربی خوان اہل قلم کو یہ دھوکا ہے کہ عربی کے الفاظ اور جمعون کو اردو مین صحیح عربی طریق سے لکھنا ضروری ہے، تاکہ عربی سے ناواقفیت کا الزام نہ آئے، مگر صحیح یہ ہے کہ عربی الفاظ اور اُن کی جمعین وہی صحیح ہیں، جو اردو مین رواج پذیر ہو گئی ہیں، جو علامہ وقت ان کی تصحیح بتا کر علامگی کا ثبوت

دیتے ہیں، وہ زبان کے تصرفات کی تاریخ سے نا آشنا ہیں، اردو میں جن کی بطریق عربی دو جمعیں مستعمل ہیں، جنات، اور اجنہ اور دونوں عربی قاعدہ سے غلط ہیں، مگر اردو میں دونوں صحیح ہیں، عربی میں اس لفظ کی جمع جِنّۃ ہے، مگر کیا اردو میں یہ جمع کبھی مستعمل ہوئی ہے، اجنہ جنین کی جمع عربی میں ضرور ہے، مگر قرول باغ میں جامعہ ملیہ ہی سے قریب طبیہ کالج ہے وہاں جنینوں کے لئے اجنہ ذرا جا کر بولئے پھر دیکھئے، کہ خود بولنے والے کو وہ اجنہ کا ایک فرد سمجھنے لگتے ہیں یا نہیں، اردو میں جن کی جمع اجنہ اور جنات دونوں صحیح اور فصیح ہیں اور ان پر اعتراض کرنا نارو اعلمیت کا اظہار کرنا ہے، اسی موقع پر صائب نے اپنے اس مصرع پر

جامہ را فاختہ ساختہ یعنی چہ!

مخاطب فارسی اور غائب عربی (یعنی) کے ملایانہ اعتراض کے جواب میں کہا تھا،

شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد!

سیرۃ النبیؐ، جلد چہارم

منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث ضخامت ... ۷ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ ۷ سے ۸ تقطیع کلاں،

خطبات مدراس

مولانا نے ۱۹۲۶ء میں مدراس میں سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ خطبے (لکچرز) دیئے تھے جو نہایت مقبول ہوئے اور مسلمانوں نے انکو بیحد پسند کیا، ان آٹھ لکچروں میں نہایت موثر الفاظ میں اور تاریخی دلائل کے ساتھ آنحضرت صلعم کی سیرۃ مبارکہ اور آپ کی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ پیش کیا گیا ہو، یہ اس لائق ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں میں ہدیۃً تقسیم کئے جائیں اور عربی مدرسوں اور مکتبوں اور انجمنوں میں انکو پڑھایا جائے ضخامت ۱۵۰ صفحے طبع دوم قیمت عمر

سفر افغانستان

(۴)

میرے بعد ڈاکٹر اقبال کھڑے ہوئے، اور اپنے فلسفیانہ انداز بیان میں حسب ذیل تقریر ارشاد کی، جو اس موقع پر بہت پر اثر ثابت ہوئی،

ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال کی تقریر

سید سلیمان صاحب ندوی اور ڈاکٹر سر راس مسعود کی تقریروں کے بعد جنمیں ہمارے جذبات کی نہایت خوبی سے ترجمانی کیگئی ہے، اب کوئی چیز ایسی باقی نہیں ہے جسکو میں بیان کروں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ انجمن ادبی کابل کے ارکان مجھے بھی یہ توقع رکھتے ہونگے کہ خیر مقدم اور خوش آمدید انھوں نے جس لطیف اور بلیغ ترین انداز میں کیا اور کہا ہے اسکے جواب میں میں بھی کچھ عرض کروں، میں انجمن ادبی کابل کا بہت ممنون ہوں کہ اُسنے اپنی مہربانی سے میرے متعلق نظم و نثر میں اچھے خیالات اور پر احساس جذبات ظاہر کئے ہیں،

میں بھی خواہش رکھتا ہوں کہ صرف اور صرف انجمن ادبی کابل کے نوجوان ارکان کے عملی پہلو (فعالیت) اور کار روائیوں سے بحث کروں، کوئی شک نہیں کہ انجمن اپنے کام کی اہمیت اور ذمہ داری سے بخوبی آگاہ ہے، میرا یہ عقیدہ ہے کہ آرٹ یعنی ادبیات یا مصوری یا موسیقی اور یا معماری، جو بھی ہو ہر ایک زندگی کی معاون اور خدمتگار ہے اور اسی بنا پر آرٹ کو چاہئے کہ میں ایجاد کہوں نہ تفریح، شاعر ایک قوم کی زندگی کی بنیاد کو آباد یا برباد کر سکتا ہے، اسوقت جب حکومت کوشش کر رہی ہے کہ موجودہ زمانہ میں افغانستان کی تاریخ نئی زندگی کے میدان میں داخل ہو تو اس ملک کے شعراء پر لازم ہے کہ اخلاف نوجوان کے لیے سچے رہنما بنیں، زندگی کی عظمت و بزرگی کے بجائے موت کو زیادہ بڑھا کر نہ دکھائیں، کیونکہ "آرٹ" جب موت کا نقشہ کھینچتا ہے اور اسکو بڑھا کر دکھاتا ہے اسوقت وہ سخت خوفناک اور برباد کن"

ہو جاتا ہے، اور جو حُسن، قوت سے خالی ہو وہ محض ایک پیغام موت ہے،

دلبری بے قاہری جادوگری است — دلبری با قاہری پیغمبری است

میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ کو ایک مرکزی نقطہ کی طرف مبذول کراؤں، حیاتِ نبوی صلعم کے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے، روایت ہے، کہ ایک مرتبہ انحضرت صلعم کے حضور میں امرؤالقیس کے، جو مشہور عرب شاعر ہے، کچھ اشعار پڑھے گئے، ارشاد ہوا،

اشعر الشعراء وقائدھم الی النار — تمام شاعروں میں بہتر شاعر، اور انکو دوزخ کی طرف لیجانے والا،

اس ارشاد سراسر رشاد سے واضح طور پر روشن ہوتا ہے کہ شعر کا کمال بعض اوقات لوگوں پر برا اثر ڈالتا ہے ایک قوم کی زندگی کی موقوف علیہ چیزیں محض شکل و صورت نہیں، بلکہ جو چیز حقیقۃً قوم کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے وہ "وہ تخیل" ہے جس کو شاعر قوم کے سامنے پیش کرتا ہے، اور وہ بلند نظریات ہیں جنکو وہ اپنی قوم میں پیدا کرنا چاہتا ہے، قومیں شعراء کی دستگیری سے پیدا ہوتی ہیں، اور اہل سیاست کی پامردی سے نشوونما پاکر مرجاتی ہیں، پس یہ خواہش ہے کہ نوجوان افغانستان کے شعراء و انشاپرداز ہم عصروں میں ایسی روح پھونکیں جس سے وہ رفتہ رفتہ اخیر میں اپنے کو پہچان سکیں، جو قوم ترقی کے راستہ پر چل رہی ہے اس کی "انانیت" خاص تربیت کے ساتھ ارتقا ہوتی ہے، اگر وہ تربیت جسکا خمیر احتیاط کے ساتھ اٹھایا جائے، پس انجمن کا کام یہ ہے کہ نوجوان نسلوں کی فکر کو ادبیات کے ذریعہ سے متشکل کرے، اور ان کو ایسی روحانی صحت بخشے کہ وہ بالآخر اپنی "انانیت" کو پاکر اور قابلیت بہم پہنچا کر پکار اٹھیں،

دو دستہ تیغم و گردوں برہنہ ساخت مرا — فساں کشید و بروی زمانہ آخت مرا
من آں جہان خیالم کہ فطرتِ ازلی — جہان بلبل و گل راشکست و ساخت مرا
نفس بسینہ گدازم کہ طائرِ حرمم — تواں زگرمی آوازِ من شناخت مرا

میں ایک اور نکتہ بھی کہنا اور گذر جانا چاہتا ہوں، موسیولینی نے ایک اچھا نظریہ قائم کیا ہے، جسکا مقصد یہ ہے کہ اٹلی کو چاہئے کہ اپنی نجات حاصل کرنے کے لئے ایک کروڑپتی کو پیدا کرے جو اٹلی کے گریبان کو اینگلوسکسن اقوام کے قرضہ جات کے چنگل سے چھڑا سکے، یا کسی دوسرے دانتے کو پیدا کرے جو نئی جنت پیش کرے، یا کسی نئے کولمبس کو حاصل کرے جو ایک نئے براعظم کا پتہ چلائے، اگر آپ مجھ سے افغانستان کی نجات کے متعلق سوال کریں تو میں کہونگا کہ افغانستان کو ایک ایسے مرد کی ضرورت ہے جو اس ملک کو اس کی قبائلی زندگی سے نکالکر وحدت ملی کی زندگی سے آشنا کرے، لیکن مجھے خوشی ہے، کہ افغانستان کو ایک ایسا مرد مل گیا ہے، جسکا وہ عرصہ سے انتظار کر رہا تھا، مجھے یقین ہے کہ اعلیحضرت نادر شاہ کی شخصیت ایجاد کار کو اسی لیے پیدا کیا گیا ہے، کہ افغانستان کو ایشیا میں ایک نئی قوم بناکر دنیا سے تعارف کرائیں، اس وطن کے نوجوانوں کو چاہئے کہ اس بزرگ رہنما کو اپنی تعلیم و تربیت کا معلم سمجھیں، کیونکہ ان کی تمام زندگی ایثار، اخلاص، اور اپنے ملک کیساتھ صداقت، اور اسلام کے ساتھ عشق و محبت سے لبریز ہے،"

ان تقریروں کے بعد لوگ کھانے کے لئے اٹھے، کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کا سامان یعنی آفتابہ اور سلفچی موجود تھا، کھانے کا اہتمام ہوٹل کے وسطی کمرہ میں تھا، چاروں طرف پورے حلقہ میں بصورت دائرہ میز بچھی تھی، اور اسکی چاروں طرف کرسیاں لگی تھیں، پورا دائرہ مہمانوں سے بھرا تھا، میرا اندازہ ہے کہ پچاس ساٹھ آدمی دعوت میں شریک ہونگے، کھانے سب ہندوستانی طرز کے مطابق پہلے ہی سے دسترخوان پر لگا دیئے گئے تھے، کھانے میں مختلف اقسام کے گوشت، کباب، مرغ، اور مختلف انواع کے پلاؤ، اور بعض یورپین مذاق کی چیزیں تھیں، کھانے میں خاص افغانستان کی کوئی ممتاز چیز نہیں معلوم ہوتی تھی، اور ہم کو ان میں اور ہندوستان کے دسترخوان اور الوان نعمت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا،

میرے پاس ایک پیر کہن سال افغان بزرگ تھے، جو ہندوستان میں سالہا سال رہ چکے تھے، سر سید احمد خان مرحوم سے ملے تھے، اور حکیم اجمل خان مرحوم سے بھی اُن کی محبت اور دوستی تھی، اردو اچھی بولتے تھے، اور باایں ہمہ سن و سال ضعف قویٰ اور ضعف اشتہا کا کوئی عملی گلہ ان کو نہ تھا،

کھانے کے بعد پھر پہلے کمرہ میں آکر لوگ بیٹھے، اور اب مجلس پہلے کی طرح باقاعدہ نہ تھی، میں وسط مجلس میں ایک اور جگہ جاکر بیٹھا، جہاں ایک مصری فاضل زیدان بدران (رکن دائرۂ تعلیم و تربیت و دار التالیف) نامی اور ایک بخاری فاضل جو عربی کے شاعر و ادیب تھے، بیٹھے تھے، ان سے دیر تک عربی میں گفتگو ہوتی رہی، بخاری فاضل، بالشویک حکومت سے بھاگ کر یہاں پناہ گزیں تھے، اپنے ملک کے دردناک قصے سناتے تھے، اور کہتے تھے کہ عنقریب ہندوستان آکر ملیں گے، موصوف کی تعلیم شام میں ہوئی تھی،

جس طرح ہندوستان میں پان یا الائچی کھاتے ہیں، یہاں بادام اور پستے بھنے ہوئے تشتریوں میں رکھے ہوتے ہیں، جن کو لوگ شغل اور تفکہ کے لئے کھاتے رہتے ہیں، یہاں پان کا وجود نہیں ہے، حقہ بھی ہم نے نہیں دیکھا، البتہ نئے لوگوں میں سگریٹ اور سگار کا رواج خاصہ ہے، ڈاکٹر اقبال صاحب کا دلپسند مشغلہ حقہ ہے، ان کا حقہ بھی ان کا رفیق سفر تھا، چائے کے متعلق یہاں رواج یہ ہے کہ پہلی پیالی تو میٹھی ہوتی ہے، پھر دوسری پیالیاں بے شکر کے تلخ پی جاتی ہیں؛

مہمانوں میں ایک شنواری مولوی صاحب بھی تھے، دہلی اور دیوبند میں تعلیم پائی تھی، کہتے تھے کہ شاہ امان اللہ خاں نے اپنے اصلاحات کی نسبت مجھ سے فتویٰ پوچھا تھا، تو میں نے "دین و دولت" دونوں کے فائدوں کو پیش نظر رکھکر ان کے متعلق اپنی رائے لکھی، اور ہر مسئلہ کے سامنے اس کا جواب لکھکر ان کی خدمت میں پیش کیا، شاہ ممدوح اس کو پڑھکر نہایت برہم ہوئے اور مجھے نظر بند کر دیا،

یہ مجلس ۱۰ بجے تک قائم رہی جس کے بعد سب لوگ ایک دوسرے سے ملکر رخصت ہوئے، ہم لوگ بھی اپنے قیام گاہ دار الامان میں واپس آئے، رات بآرام بسر کی، سردی ہمارے صوبہ کے دسمبر کی راتوں سے زیادہ نہ تھی، پلنگ پر جو کمبل لگے ہوئے تھے، وہ کافی تھے،

باغ بابر آج اکتوبر کی ۱۵ تاریخ تھی، سردار خاں سے طے تھا کہ آج کابل کے بعض قابل دید مقامات کی سیر ہوگی، صبح کی چائے اور ناشتہ سے فارغ ہو کر جو ہر شخص کو علیحدہ علیحدہ اس کے کمرہ میں پہنچا دیا جاتا تھا، میں باہر نکلنے کے لئے تیار

ہو گیا، تھوڑی دیر میں سردار خاں آئے، اور ان کے ساتھ سب سے پہلے "باغ بابر" گیا، یہ باغ موجودہ آبادی سے باہر ایک پہاڑ کے دامن میں واقع ہے، دامن میں باغ اور فوارے ہیں، اور اس سے اونچائی پر باغ کی عمارت ہے، اور اس سے اوپر پہاڑی کے بالکل نیچے ایک احاطہ میں شہنشاہ بابر کا کھلا مزار ہے، مزار اور باغ کے بیچ میں جو عمارت ہے سنا ہے کہ امیر عبدالرحمن خان نے بنوائی ہے، اس اونچی عمارت اور زیریں باغ اور فواروں کو دیکھکر شالامار باغ لاہور کا ایک چھوٹا سا منظر نظر کے سامنے آگیا،

میرے کابل پہنچنے سے پہلے اسی باغ میں کابل کی بلدیہ (مینو سپلٹی) کی طرف سے ہمارے رفقاء کو گارڈن پارٹی دی گئی تھی، لیکن چونکہ میں اس میں شریک نہ تھا اس لئے اسکی تفصیلات کی مجھے اطلاع نہیں،

عمارت مذکور اور مزار کے بیچ میں ہندوستان کی مغل عمارتوں کے نمونہ کی ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی ہے جو مسجد شاہجہان نے ۱۰۵۶ھ میں بنوائی تھی، مسجد کی بیرونی چھت کے سامنے کی بلندی پر بادشاہ مذکور کا تاریخی کتبہ مع سال بنا کندہ ہے، مسجد سے اوپر بلندی پر بابر کے مزار کا احاطہ ہے، اوپر پہاڑ سے سنگستانی چشمہ اترتا ہوا نیچے بہ رہا ہے، احاطہ کے اندر بے سقف کی خالی زمین ہے، اس کے بیچ میں شہنشاہ بابر کا سادہ سنگی مزار ہے، جن لوگوں نے بابر کے بیٹوں اور پوتوں کے مزارات دہلی، آگرہ اور لاہور میں دیکھے ہیں، وہ ان کے مورث اعظم کے اس سادہ بے گنبد و عمارت قبر کو دیکھکر بے اختیار اشک عبرت بہائیں گے، لیکن اتنی تسکین کیا کم ہے، کہ ۱۲ ہزار کی جمعیت سے ۳۲ کروڑ کے ہندوستان کو فتح کرنے والا آج بھی اپنی قوم کے آزاد ملک کی آزاد سرزمین میں آرام کر رہا ہے، اپنی ایک خود مختار سلطنت کے بناو تعمیر میں جو بارہ برس تک خشک پہاڑیوں سے سر ٹکراتا رہا، وہ مرنے کے بعد بھی ایک پہاڑی ہی کے نیچے پتھروں کا مسند اور تکیہ لگائے محو خواب ہے،

یہ مزار جہانگیر کے عہد تک کتبہ سے بھی خالی تھا، جہانگیر نے سرہانے پتھر کا ایک کتبہ نصب کرایا ہے، جس پر حسب ذیل فارسی شعر منقوش ہیں،

بادشاہے کز جبینش تافتے نور اله   آں ظہیر الدین محمد بود بابر بادشاہ

باشکوہ و دولت و اقبال و عدل و داد و دین	داشت از توفیق و فیض و فتح و فیروزی سپاہ
عالم اجسام را بگرفت و شد روشن رواں	بہر فتح عالم ارواح چوں نور نگاہ
شد چو فردوسش مکاں عنواں زمن تاریخ جست	گفتمش فردوس دایم جاے بابر بادشاہ

بابر کے مزار کے ایک پہلو میں ذرا دور ہٹ کر ہندال مرزا اور ہمایوں کے بھائی حکیم مرزا کے مزارات ہیں، اُن کی قبروں پر بھی جہانگیر نے کتبے لگائے ہیں، اور دوسرے پہلو پر دہلی کے عالمگیر ثانی کی دختر گوہر نسا بیگم کی قبر ہے، مرزا کا کتبہ حسب ذیل ہے،

"مرقد گوہر نسا بیگم بنت عالمگیر ثانی بتاریخ ۲۰ شعبان ۱۲۰۲ھ"

معلوم نہیں یہ "درِ مکنون" دہلی سے کابل کو کیونکر منتقل ہوا،

شہنشاہ بابر کے خاندان کا یہ گور غریباں دیکھکر دل بیحد متاثر ہوا، مغفرت کی دعا مانگ کر آنسوؤں کے دو پھول مرقد شاہی پر چڑھائے، اعلیحضرت نادر خاں مرحوم نے اپنے زمانہ میں اس مزار کی درستی کرائی ہے، اور اس پر نہایت عمدہ قیمتی پتھروں کے پھول لگائے ہیں،

مزار سے باہر آکر چشمہ سے گذرتے ہوئے نیچے اترے، اور موٹر نے اب شہر خموشاں کے بجائے شہر آبادان کی طرف کوچ کیا،

مکتب صنائع نفیسہ | افغانستان میں مکتب کا لفظ مدرسہ یا اسکول کے معنوں میں بولا جاتا ہے، مزار بابر سے نکل کر ہم سب سے پہلے مکتب صنائع نفیسہ میں پہنچے، صنائع نفیسہ کے معنی فنون لطیفہ، یا "فائن آرٹس" سمجھئے، اس مدرسہ کو شاہ امان اللہ خان نے قائم کیا تھا، پتھر کی اچھی خاصی دو منزلہ عمارت ہے، سامنے لڑکوں کے کھیلنے کا میدان ہے، یہ میدان احاطہ سے گھرا ہوا ہے، اور احاطہ ایک پھاٹک سے بند ہے، موٹر جیسے ہی پھاٹک پر آکر رکا، بعض اساتذہ نے جو میدان مین کھڑے تھے، اور مدیر مکتب جناب غلام محمد خاں صاحب نے پرتپاک استقبال کیا، اور ایک ایک کلاس میں لیجا کر پورے اسکول کی سیر کرائی کل پانچ سو لڑکے اس میں اس وقت زیر تعلیم تھے، اور فنون لطیفہ میں سے نقاشی،

نجاری، قالین بافی، رنگ ریزی، اور مصوری، وغیرہ کے مختلف کلاس زیر تعلیم تھے، نقاشی جس کو وہاں رسامی کہتے ہیں، اس کے معلم ایک ہندوستانی تھے، قالین بافی کے اعلیٰ استاد ایرانی تھے، اور نجاری کے اعلیٰ کلاس میں ایک جرمن تعلیم دے رہا تھا، مین نے ہر ایک کلاس میں جاکر لڑکوں کے کاموں کو دیکھا، مین نے لکھنؤ کا سرکاری آرٹس اسکول دیکھا ہے، مجھے یہاں کے صنائع نفیسہ کا کام وہاں سے بہتر نظر آیا، جس درجہ میں بھی ہم لوگ پہنچے اس میں ایک طالب علم ایک خاص نعرۂ خیر مقدم لگاتا تھا، جس کو سننے کے ساتھ تمام طلبہ ادب سے سلام کرتے تھے، میں نے اس نعرہ کے غیر مفہوم لفظ کا مطلب پوچھا، تو بتایا گیا کہ اس کے معنی خبردار اور ہوشیار کے ہیں،

مصوری کے کلاس میں ایک بوڑھا پٹھان لڑکوں کے سامنے بلندی پر چپ چاپ پڑا تھا، اور سب طلبہ پنسل لئے ہوئے ایک ایک ادا کی تصویر اتار رہے تھے،

قالین بافی کے کلاس کو پورا دیکھا، اون یہین رنگا جاتا ہے، اور یہیں اس کا سوت تیار ہوتا ہے اور پھر آخر تک اس کے پورے مراحل یہیں طے ہوتے ہین، یہ رنگ یورپین ساخت کے نہیں ہوتے، بلکہ پرانے طرز پر ملکی نباتات سے رنگ کر اور اُن کو گرم پانی میں جوش دیکر نہایت روشن چمکدار پختہ رنگ اون تیار کرتے ہیں، قالین بنتے ہوئے میں نے سب سے پہلے یہیں دیکھا، چھوٹے بڑے قالینوں کے اندازہ سے چوکھٹے دیواروں سے لگے کھڑے تھے، ان میں اونی دھاگے کے تانے اوپر سے نیچے کی طرف تنے ہوئے تھے، پھر چند لڑکے ایک ایک قالین کے چوکھٹے کے پاس بیٹھکر اس کے تانے بھرنے میں مصروف تھے، ہر قالین کے شروع کرنے سے پہلے اس قالین کا نقشہ اور ڈیزائن بنایا جاتا ہے، یہ نقشہ پہلے تیار کر لیا جاتا ہے، اس میں ہر رنگ کی جگہ اور مقدار اور پھولوں کی صورت اس طرح نقش کیجاتی ہے، جس طرح مصوری کا چارٹ یا نقشہ خطوط اور نقطوں کی صورت مین بنایا جاتا ہے، استاد یا کسی مستعد لڑکے کے ہاتھ میں وہ نقشہ ہوتا ہے اور وہ ایک خاص زبان اور اصطلاح میں ہدایات پڑھتا جاتا ہے، اور لڑکوں کے ہاتھ اُن کے مطابق مشین کی طرح اونی تاروں پر حرکت کرتے جاتے ہین، اور مختلف نقش و نگار اُن کے ہاتھوں کے نیچے بنتے جاتے ہین، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ترکی زبان کے الفاظ و اصطلاحات تھے، یہاں کے بنے ہوئے قالین اپنی خوبی

رنگینی، خوشنمائی اور دیرپائی میں ایرانی اور ترکی قالینوں کا مقابلہ کرتے ہیں، افسوس ہے کہ یہ ابھی تک اتنے زیادہ تیار نہیں ہوتے جو بازاروں میں اور بیرونی ملکوں کے مارکٹ میں بھیجے جائیں،

بخاری کے کارخانہ کو دیکھکر جی خوش ہوگیا، لکڑی اتنی اچھی جو میں نے ہندوستان میں نہیں دیکھی، ٹیک کی لکڑی جو بمبئی اور برما میں سب سے بہتر سمجھی جاتی ہے، اس سے وہاں کی لکڑی بہتر تھی، یعنی پختہ، وزنی اور راتنی چکنی کہ چیرنے کے بعد رندے اور خراد کے بغیر وہ رندی اور خرادی ہوئی معلوم ہوتی تھی، لکڑی کے گودمیں ایسی خوشنما لکیریں کہ وہ بجائے خود نقش معلوم ہوتی تھیں، اس صیغہ میں لکڑی چیرنا، کاٹنا، چھیلنا، ٹکڑے کرنا، اور ٹکڑوں کو جوڑنا تو معمولی کام تھے، آخری کام فرنیچروں کے نقشے اور ڈیزاین تیار کرنے اور ان کے مطابق عمدہ فرنیچروں کی ساخت ہے، اس آخری کلاس کا معلم ایک جرمن تھا، حکومت کا اثر یہ ہے کہ جب میں نے اس کے کلاس کے اندر قدم رکھا، اس نے السلام علیکم کہہ کر استقبال کیا،

صنائع نفیسہ کے اکثر کلاسوں کو دیکھکر باہر نکلا تو میدان میں اس عظیم الشان اضافہ کو دکھایا گیا جو موجودہ حکومت اس مدرسہ کی عمارات میں کر رہی ہے، یہ عمارات زیر تعمیر معلوم ہوتی تھیں، جب کبھی وہ مکمل ہو جائنگی تو اس مدرسہ کی تعمیری حیثیت بھی بہت بلند ہو جائے گی، اور مدرسہ بہت وسیع ہو جائیگا،

سرکاری موٹر خانہ

یہاں سے واپسی میں موٹر خراب ہوگیا، شوفر اس کو لے کر سرکاری موٹر خانہ میں گیا، یہ ایک چھوٹی سی عمارت ہے، جس میں بہت سے گیرج بنے ہوئے ہیں، یہاں خراب موٹروں کی مرمت کیجاتی ہے، افسر موٹر خانہ بڑی توجہ اور التفات سے پیش آیا، نادر خان کے کہنے سے اس نے خراب موٹر کو مرمت کے لئے لے لیا، اور دوسرا عمدہ موٹر اس نے بدل کر دیا، موٹروں کی مرمت و اصلاح کا یہ کارخانہ بھی، موجودہ حکومت کی پیداوار ہے،

نئی دوکانوں کی عمارتیں

موٹر خانہ جاتے ہوئے راستہ میں دوکانوں کی جدید عمارتوں کا ایک وسیع سلسلہ نظر آیا، یہ یورپ کی دوکانوں کے طریق پر بنائی گئی ہیں، باہر دروازوں میں پورے پورے شیشے لگے ہیں، تاکہ دکانوں کے بند ہونے کے باوجود اندر کی چیزیں شائقین کو نظر آ سکیں، یہ عمارتیں بھی موجودہ حکومت نے دوکانوں کے لئے بنوائی ہیں، ابھی ان کی تعمیر پوری ختم نہیں ہوئی ہے، یہ دوکانیں جب آباد ہو جائنگی تو کابل پر بمبئی یا کسی یورپین شہر کا دھوکا ہوگا،

ہوائی جہازوں کا میدان

ان دوکانوں کے بالمقابل دوسری طرف ابھی کوئی جوابی لائن نہیں بنی ہے، اسی کے سامنے ایک بہت بڑا میدان ہے، جس کو برابر کر کے مسطح کیا گیا ہے، اور اس کو ہوائی جہازوں کے اترنے اور اُڑنے کیلئے مخصوص کیا گیا ہے،

بالاحصار کا مکتب حربی

اس سے آگے بڑھکر بالاحصار کی پہاڑی اور میدان آیا، یہ مقام کابل کا سب سے بلند مقام ہے، اس کے پاس ہی جھیل یا تالاب سا پانی پھیلا تھا، یہ پہلے کابل کے امراء اور والیوں کا حاکم نشین قلعہ تھا، یہ قلعہ تاتاریوں کے حملہ کے وقت بھی موجود تھا، مگر دراصل بابر نے اس کو مضبوط و مستحکم کیا تھا، ہمایوں نے اپنے بھائی پر جب حملہ کیا تھا تو وہ اس وقت اسی قلعہ میں تھا، یہی وہ قلعہ تھا جس میں خرد سال اکبر کو ظالم چچا نے باپ کی توپوں کے گولوں کے رخ پر اس لئے بٹھا دیا تھا کہ ہمایوں کی توپیں قلعہ پر گولے سر نہ کر سکیں، اکبر نے تخت نشین ہو کر اس کو سر نو درست کیا، جب جہانگیر تخت آرا ہوا تو اس نے کاشی کاری کے کاموں سے اس کو زینت دی، شاہجہان کے زمانہ میں علی مردان خاں حاکم کابل نے جو شاہجہاں کا میر عمارت بھی رہ چکا تھا، یہاں بہت سی نئی عمارتیں بنا کر کھڑی کیں، اور کابل کا موجودہ مشہور چہار چتہ بھی اسی کی تعمیر ہے، اور اسی کے قریب اورنگ زیب نے مسجد گدری بنوائی،

بہر حال اس وقت سے لیکر آج سے پچاس ساٹھ برس پیشتر تک یہ مقام کابل کے امراء اور حکام اور سلاطین سدوزی کا دار الحکومت اور مستقر و قیامگاہ رہا، ۱۲۹۶ھ ہجری (۱۸۷۹ء) میں جب انگریزوں نے اپنے مقتول سفیر کیونری کے انتقام میں کابل پر چڑھائی کی تو اس تاریخی قلعہ کو بارود لگا کر اس طرح اوڑا دیا کہ وہ راکھ کا ڈھیر اور پتھروں کا انبار ہو کر رہ گیا، اس وقت سے لیکر آج تک یہ مقام اسی طرح ویران پڑا تھا، اور محض عبرت گاہ ایام تھا، سال گذشتہ اعلیحضرت نادر خاں شہید مرحوم نے اس مقام کی تاریخی حیثیت کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے اس کو مکتب حربی (ملٹری کالج) قائم کرنے کے لیے موزوں سمجھا، چنانچہ سال گذشتہ ۱۷ ارثور کو اعلیحضرت شاہ شہید نے خود اپنے ہاتھوں سے اس تاریخی مقام میں مکتب حربی کا سنگ بنیاد نصب کیا، اور تمام حکام و اشراف و ارباب مناصب اور پرجوش اہل شہر نے اپنے ہاتھوں میں کدالی اور پھاوڑے لیکر اس زمین کو ہموار و مسطح کیا، گویا یہ دن کابل کے قومی جوش و خروش کا سب

بڑا تاریخی مظاہرہ تھا، جس وقت میں اس میدان میں پہنچا میرے رفیق سرور خاں نے قومی افتخار کے ساتھ اس میدان کی طرف اشارہ کیا، اور افغانوں کی چھ سو برس کے اُن روایات ملی کو جو اس مقام سے وابستہ ہیں، بیک جنبش نگاہ دہرا دیا، ابھی تک مکتب کی عمارت کی طرح نہیں ڈالی گئی ہے، اگر شاہ کی شہادت کا یہ غمناک حادثہ پیش نہ آیا ہوتا تو شاید تعمیر کا کام جلد شروع ہو جاتا،

دو صحابیوں کے مزار

بالاحصار کی پہاڑی کے نیچے نیچے موٹر نے حرکت شروع کی اور بالاحصار کے کھنڈر کی دوسری طرف پہنچ کر ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں شاید پہلے آبادی ہو، مگر اس وقت وہ بے نشان ہے، اس سے آگے بڑھ کر ایک پرانے قبرستان کے پاس پہنچے، جو پہاڑی کے دامن میں واقع ہے، اس قبرستان میں ایک طرف مشہور ہے کہ دو صحابیوں کے مزار ہیں، افغانوں میں ان کے نام حضرت تمیم اور حضرت جبیر مشہور ہیں، گو تاریخ سے ان بزرگوں کی شخصیت کا ثبوت بہم پہنچانا دشوار ہے، تاہم شہرت عام کی قطعی تکذیب بھی مشکل ہے. بہرحال وہ صحابی ہوں یا تابعی ہوں شاہ شہید کی حکومت نے عقیدت عام کی بنا پر ان دونوں بزرگوں کی قبروں کی مرمت کرائی ہے، اور جس وقت میں پہنچا ہوں، اس کے چاروں طرف عمارت کا کام جاری تھا، اور معمار اس کے سامنے ایک فوارہ بنانے میں مصروف تھے، دعائے مسنون پڑھ کر یہاں سے واپس ہوا،

سفراء کے مکانات

یہاں سے واپسی میں اس سڑک سے گذر ہوا، جدھر اکثر دول غیر کے سفراء کے مکانات ہیں، میرے رفیق نے بتایا کہ سلطنتیں اپنے ہاں افغانی سفراء سے مکانات کی نسبت جو برتاؤ کرتی ہیں، وہی اُن کے سفراء کے ساتھ یہاں برتا جاتا ہے، یعنی اگر وہ مکانات کے کرایے لیتی ہیں، تو افغانی حکومت بھی ان سے یہاں کرایہ لیتی ہے، اور جو افغانی سفیروں کو بے کرایہ مکان دیتی ہیں تو ان کو بھی یہاں بے کرایہ مکان دیا جاتا ہے، چنانچہ جب ہم ایرانی سفیر کے قیامگاہ کے نیچے سے گذرے تو بتایا گیا کہ ایرانی حکومت چونکہ افغانی سفیر سے مکان کا کرایہ نہیں لیتی، تو یہاں بھی اس کے سفیر کو یہ مکان دوستانہ بے کرایہ دیا گیا ہے،

امان اللہ خان کے زمانہ ہی سے انگریزی سفارت خانہ ایک اور مقام پر اٹھ گیا ہے، جو کوہ دامن اور مکتب حربی

کے درمیان ہے، اور نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مقام دونوں سلطنتوں کے سیاسی مفاد کے لحاظ سے کہاں تک مناسب ہے،

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

دار العلوم عربی

اب میں نے یہاں کے عربی مدرسہ کے دیکھنے کی خواہش کی جسکا نام دار العلوم ہے، یہ مدرسہ پرانے شہر کے اندر ایک گلی میں واقع ہے، سڑک کی ایک گلی پر پہنچکر موٹر رک گیا، یہاں سے اتر کر گلی میں قدم رکھا، تھوڑی دور چل کر ایک بڑے مکان کے اونچے دروازہ کے اوپر دار العلوم عربی کا سائن بورڈ نظر آیا، اندر سے عمارت خاصی بڑی تھی، دو منزلہ عمارت ہے، اور دونوں میں مدرسہ کی جماعتیں مصروف درس تھیں، رئیس مدرسہ کا نام قاری عبد الرحمن خاں ہے، اور مدرسین میں اکثر وہ افغانی علماء تھے جنھوں نے ہندوستان میں تعلیم پائی ہے، مدرسین فارسی زبان میں تقریر کر رہے تھے، طلبہ سروں پر سپید افغانی گول پگڑیاں، اور جسم میں گرم یا روئی دار لبادے تھے، اور ادب سے بیٹھے ہوئے استاد کی تقریریں سن رہے تھے،

سب سے پہلے جس جماعت میں پہنچا، اس میں مشکوٰۃ کا درس ہو رہا تھا، اور مقام وہ تھا، جہاں اوقات ثلثہ (زوال، طلوع اور غروب) میں نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے، پھر اس کے مقابل وہ حدیث تھی جس میں بیان ہے کہ اگر طلوعِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت صبح کی ادا کر لی، یا غروب سے پہلے عصر کی ایک رکعت تمام کر لی ہے، تو دونوں نمازیں ہو جائینگی، چونکہ امام ابو حنیفہ کا مسلک اس بارہ میں یہ ہے کہ عصر کی نماز تو ہو جائیگی، مگر صبح کی نہیں ہوگی، اس لئے مدرس صاحب نے علمائے احناف کے مشہور طریقہ استدلال کو کہ چونکہ یہ دونوں حدیثیں یعنی منع صلوٰۃ اور اس ایک رکعت کے پا لینے پر پوری نمازیں درست ہو جانے والی حدیث میں تعارض ہوا تو ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ عصر کی نماز ناقص وقت میں شروع کی گئی اور ناقص وقت میں تمام ہوئی، اس لئے درست ہوئی، اور صبح کی نماز صحیح وقت میں شروع ہوئی، اور ناقص میں تمام ہوئی، اس لئے وہ درست نہیں ہوئی، میرا جی چاہا کہ عرض کروں کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض سرے سے نہیں، حدیث منع کا منشا یہ ہے کہ عین زوال اور طلوع اور غروب کے وقت نماز شروع نہ کیجائے، اور دوسری حدیث کا مفاد یہ ہے کہ اگر کسی نے طلوع یا غروب سے پہلے نماز شروع کی تھی کہ ایک رکعت

بعد دوسری رکعت میں آفتاب طلوع یا غروب ہوگیا، تو نماز توڑی نہ جائے، تمام کیجائے، اور وہ نمازیں درست ہونگی، لیکن
افغان علماء کے تشدد کا خیال کرکے میں نے جرأت نہ کی، سرور خاں نے کہا بھی کہ یہ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں، لیکن میں نے تردید
کہ نہیں، اس کی ضرورت نہیں،

یہاں سے اُٹھکر اوپر کی منزل میں گیا، وہاں ہدایہ کا درس جاری تھا، وہاں بھی خاموش رہا، اس کے مقابل کے دوسرے
کمرہ میں ہیئت قدیم میں شرح چغمینی ہورہی تھی، سبق ختم ہوا تو مولنا نے خوش اخلاقی کیساتھ مصافحہ کیا، اور گفتگو کی، اتنی نرمی پاکر میں نے عرض
کیا کہ حضرت، اب تو آسمان ہی سرے سے مسلم نہیں، اور آپ تو آسمانوں کی ترتیب پر استدلال قائم فرمارہے ہیں؛ فرمایا کہ کیا کیا جائے یہاں
جب تک ان علوم کو نہ پڑھیں، ہم کو ملا ہی تسلیم نہیں کیا جاتا،

مدرسہ کے نصاب جاری کا نقشہ دیکھا، وہی کتابیں تھیں جو ہندوستان کے قدیم عربی مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں تین طلبہ میں دو
عجیب معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ کوئی طالب علم بھی پچیس تیس چالیس برس سے کم کا نہیں معلوم ہوا، سب کی اچھی خاصی بڑی بڑی داڑھیاں، دوسرے یہ کہ ان طالبعلموں میں
تیزی اور ذہانت کا کوئی ثبوت نہیں ملا، ہمارے ہاں کے عربی مدرسوں میں یوں بھی اگر کوئی باہر کا آدمی آجائے تو جید طالبعلم اپنی ذہانت اور تیزی کی نمائش
کیلئے استاد سے سوالات اور اعتراضات اور جوابات کی بڑی قوت دکھاتے ہیں، افغان عربی طلبہ کی یہ سرد طبعی حقیقت میں اُنکی دماغی قوت کی کمزوری
کے سبب سے نہیں ہے، بلکہ طریقہ تعلیم کی کمزوری، اور طرز تربیت کی خرابی سے ہے، ورنہ یہی افغان طلبہ جب نئے علوم پڑھتے ہیں تو اُن کی فطری ذہانت
اور تیزی آخر پوری طرح ظاہر ہوتی ہے،

ضرورت ہے کہ اس مدرسہ کے نظام تعلیم میں اصلاح کیجائے، اور اسکے نصاب میں نئے علوم کو داخل کیا جائے، اور ضرور ہے کہ مطابق ان طلبہ کے
رہنے سہنے کے طور طریق میں صفائی اور بلندی کا خیال رکھا جائے، وہاں علماء کے طبقہ کو ایسا سمجھا جاتا ہے کہ گویا وہ شیشہ ہے کہ ذرا ہاتھ لگایا اور ٹوٹا، یا
بارود ہے کہ اسمیں بے احتیاطی سے ذرا گرمی پہنچی تو بھک سے اڑ جائیگا، اور زلزلہ پیدا کردیگا، یہ خطرہ ایک حد تک صحیح ہے لیکن اگر افغانستان کو زندہ رہنا ہے تو اس
خطرہ کا ایکدفعہ دوچار ہونا لازمی ہے، اور اسکی صحیح صورت یہ ہے کہ طریقہ تعلیم، نظام تعلیم اور نصاب تعلیم میں رفتہ رفتہ اصلاح کیجائے، اور ایسے علماء پیدا کئے جائیں
جو نئی تعلیم کے نوجوان افغانوں کی رہبری کرسکیں، اور مفید اصلاحات کی پیشرفت میں مدد دے سکیں، علمائے افغانستان نے گذشتہ دور ہائے حکومت میں جیسے
بڑے کام انجام دیئے ہیں، کوئی وجہ نہیں کہ آج پھر وہی کام وہ انجام نہ دے سکیں، نظم و اصلاح دین و دانش اور علم و دین کے آج کتنے کام ہیں جو انکی نگاہ التفات کے منتظر ہیں،

(باقی)

صنعت وراقہ

(عہد عباسیہ میں)

از

جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی

ذیل کا مضمون آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے اجلاس ہشتم (منعقدہ بڑودہ بتاریخ ۲۷، ۲۸، ۲۹ دسمبر ۱۹۳۳ء)
کے شعبۂ اردو (بصدارت مولوی عبدالحق صاحب) مین پڑھا گیا تھا،

عہد اسلام مین کتابون کی نشر و اشاعت کا واحد ذریعہ نسخ و کتابت تھا، اور ایک ایسے زمانہ مین جب کہ طباعت
کا کوئی طریقہ ہنوز ایجاد نہین ہوا تھا، لوگون کو اس کی اشد ضرورت لاحق ہوتی تھی، یہی وجہ ہے کہ فن نسخ و کتابت نے
اس زمانہ مین بہت رواج پایا، اور اس طرح اس خاص پیشہ کی بنیاد پڑی جس کو عربی مین وراقہ کہتے ہین،

وراقہ کے معنی: لفظ "وراقہ" کے اصل "ورق" یعنی کاغذ ہے اور اسی سے "وراق" مشتق ہے، اس کا اطلاق دو معنون
پر ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ سمعانی نے لکھا ہے،

"الورّاق هذا اسم لمن يكتب المصاحف وكتب الحديث وقد يقال لمن يبيع الورق وهو كاغذ ببغداد"[1]

وراق اسکو کہتے ہین جو قرآن مجید اور احادیث کی کتابین لکھتا ہو، نیز بغداد مین کاغذ فروش کو بھی وراق کہتے ہین،

اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ لفظ وراقہ کتابت اور کاغذ فروشی دونون کے لئے مستعمل تھا، لیکن اندلس کے
ایک وراقہ پیشہ لغوی اور ادیب ابوبکر الشنترینی (م ۶۱۷ھ) کے اشعار پر سے جن کو ابن خلکان نے نقل کیا ہے[2]

---

[1] کتاب الانساب ورق ۵۷۹ طبع عکسی لندن، [2] وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۲۶۴،

اس کے انگریزی مترجم ڈی سلین (De Slane) نے قیاس کیا ہے، کہ "وراقہ" کے معنی جلد سازی کے بھی ہیں[1]، مگر یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان اشعار سے یہ نہیں پایا جاتا کہ "وراقہ" کا اطلاق جلد سازی پر کیا گیا ہو، بہر حال وہ اشعار یہ ہیں :-

ان الوراقة هي أنكد حرفة	یقیناً وراقہ ایک بدترین پیشہ ہے اس کے پتے
اوراقها وثمارها الحرمان،	اور پھل مایوسی ہیں،
شبهت صاحبها بصاحب ابرة	مین اسکو اس درزی سے تشبیہ دیتا ہون جو ننگون
تکسو العراة وجسمها العریان	کو کپڑے پہناتا اور خود ننگا رہتا ہے،

غالباً صاحب موصوف نے "کپڑے پہنانے" سے تجلید مراد لی ہے، مگر جیسا کہ خود ابن خلکان نے لکھا ہے، یہان اس فن کی کساد بازاری کے لحاظ سے یہ مثال دیگئی ہے،

رفتہ رفتہ وراقہ کا اطلاق کتب فروشی پر بھی ہونے لگا، جیسا کہ ابن الندیم کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ المتوکل کا وزیر فتح بن خاقان اکثر وراقین کی دکانون پر جاتا اور وہان کتب بینی کرتا تھا[2]، اسی طرح خطیب نے تاریخ بغداد کی ستائیسوین جلد مین صاحب اغانی کے حالات مین سوق الوراقین کا ذکر کیا ہے، جہان سے ابو الفرج اصفہانی بہت سی کتابین خرید کر لایا کرتا تھا[3]، بقول ابن جوزی بغداد مین کتب فروشون کے بازار کو "سوق الوراقین" کہتے تھے[4]، اس اعتبار سے لفظ وراقہ حسب ذیل پیشون کے لئے مستعمل تھا :-

(۱) نسخ وکتابت کے لئے،

(۲) کاغذ فروشی کے لئے،

(۳) کتب فروشی کے لئے،

[1] انگریزی ترجمہ ابن خلکان جلد ۳ صفحہ ۵۹، ۶۱، [2] کتاب الفہرست صفحہ ۱۶۹ مصر، [3] عربی متن کے لئے دیکھو جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۰۷، [4] مناقب بغداد صفحہ ۲۶،

اب ہم یہان ان تینون عنوانات اور ان کے متعلقات کی نسبت دکھانا چاہتے ہین کہ مسلمانون نے کثرت شوق علمی کی بنا پر علوم وفنون کی اشاعت کے لئے ان پیشون کو کس قدر ترقی دی تھی، چونکہ مسلمانون کی ترقی تہذیب وتمدن اور اسلامی حکومتون کے عروج کا وسیع زمانہ کئی صدیون پر حاوی ہے، اس لئے ہم نے اپنے موضوع کا دائرہ صرف عہد عباسیہ تک محدود رکھا ہے، جو علوم وفنون کا "عہد زرین" سمجھا جاتا ہے،

نسخ وکتابت،

اس مین شک نہین کہ مسلمانون کی علم دوستی اور فنون نوازی کی بدولت اس پیشہ کو غیر معمولی ترقی نصیب ہوئی، اسلام کی ابتدائی صدیون سے لیکر ساتوین صدی ہجری تک اس صنعت کو ممالک اسلامیہ مین بہت فروغ حاصل ہوا، اس کے ماہرین کو وراقین یا نساخین کہتے تھے، جن کا کام کتابون کی نقل واشاعت تھا، اور جس طرح عرب مین ہر مشہور شاعر کا ایک راوی ہوا کرتا تھا، اسی طرح ہر مشہور عالم کا ایک وراق ہوتا تھا، چنانچہ امام واقدی کے وراق ابن سعد صاحب طبقات الکبیر تھے[1]، مشہور طبیب حنین ابن اسحاق کا وراق ازرق نامی تھا، جس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی جالینوس کی کتابین ابن ابی اصیبعہ نے دیکھی تھین، اور ان پر حنین کے دستخط تھے[2]، سندی ابن علی اسحاق الموصلی کا وراق تھا[3]، ابن عبدوس الجہشیاری کے وراق ایک [illegible]ب احمد بن اخی الشافعی تھے[4]، اسی طرح احمد بن محمد ابوبکر القرشی کو ابو الحسن احمد بن عمیر المعروف بہ ابن فطیس دمشقی (م ۳۵۰ھ) نے اپنا وراق مقرر کیا تھا[5]، محمد بن سعید معروف بہ ابن ملساقہ کو مصر کے مشہور یہودی طبیب افرائیم ابن الزفان نے اپنا کاتب مقرر کیا تھا، ابن ابی اصیبعہ نے اس کی لکھی ہوئی کتابین دیکھی تھین جن پر افرائیم کے دستخط تھے[6]،

نسخ وکتابت کا پیشہ منفعت بخش ہونے کے لحاظ سے لوگون نے عام طور پر اس کو اختیار کیا تھا، حتی کہ بڑے بڑے علماء وفضلا بھی اس پیشہ کو معاش کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے، چنانچہ چوتھی صدی کے مشہور عالم ریاضیات وبصریات ابن ہیثم

[1] الفہرست صفحہ ۹۹ مصر، [2] طبقات الاطباء جلد ۱ صفحہ ۱۸۰ مصر، [3] الفہرست صفحہ ۲۰۳، [4] معجم الادباء یاقوت الحموی جلد ۱ صفحہ ۱۸، [5] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۸۰، [6] طبقات الاطباء جلد ۲ صفحہ ۱۰۵،

مصری ہر سال اقلیدس اور مجسطی کے نسخے لکھکر بیچا کرتے اور ہر سال بھر اسی کی آمدنی پر گذارہ کرتے تھے[۱] اسی طرح قاضی ابوسعید سیرانی (م ۳۶۸ھ) جو بغداد کے بعض حصون مین قاضی مقرر کئے گئے تھے اپنے عہدۂ قضاۃ کی تنخواہ نہ لیتے اور اسی کتابت کے ذریعہ کسبِ معاش کیا کرتے تھے، چنانچہ اپنے فرائض ادا کرنے سے پہلے روزانہ دس ورق کی کتابت کریا کرتے تھے جس کی اجرت انھین دس درم (تقریباً ۴ روپیہ) روزانہ مل جایا کرتی تھی،[۲] فاس (FEZ) کے ایک مشہور ادیب اور قاری ابوالعباس احمد بن عبد اللہ الحطیہ نسخ وکتابت پر بسر کرتے تھے[۳] ایک اور ماہر نحو ولغت ابوبکر الکرمانی (م ۳۲۹ھ) اجرت پر لکھا کرتے تھے[۴] اسکندریہ کے قاضی عبد الرحمن معروف با بن الجز (م ۵۶۸ھ) جو فقہ و [illegible] اور نحو ولغت کے فاضل تھے، اجرت پر کتابین نقل کیا کرتے تھے،[۵]

کتابت بیکارون کے لئے بطور ذریعۂ معاش کے

جن لوگون کے پاس معاش کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا تھا تو وہ نسخ وکتابت سے کسب معاش کرتے تھے، اس کی ایک مثال یاقوت نے بیان کی ہے، کہ ایک عالم احمد بن سلیمان القطیعی کو تنگدستی کی وجہ سے جب فاقہ کشی تک نوبت پہنچی اور ان کے اہل وعیال کھانے تک کو محتاج ہوگئے تو ان کی بیوی کہنے لگی کہ ہم اور تم تو صبر کرسکتے ہین، لیکن یہ دو بچے کس طرح بھوک برداشت کرسکین گے، لاؤ تمھاری کتابین فروخت کرڈالین، مگر اس کتابون کے شیدائی نے گوارا نہ کیا، اور اپنی کتابون کو نقل کرکے فروخت کرنے لگے، اور اس طرح کتابت کا پیشہ اختیار کرکے اس مصیبت اور تنگدستی سے نجات پائی،[۶]

ایک اور بزرگ یعقوب بن سفیان، جو ترمذی اور نسائی کے مشایخ مین سے تھے، تنگدستی کی وجہ سے کتابین نقل کرکے روزی کماتے تھے، صفدی نے ان کے متعلق ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے، کہ اکثر وہ رات کے وقت لکھا کرتے تھے، ایک مرتبہ خرچ پاس نہین رہا تھا اس لئے بہت سرعت کے ساتھ لکھنے لگے، آدھی رات گذری تو آنکھون مین نزول الماء (پانی اترنا) شروع ہوگیا، حتی کہ چراغ بھی ان کو نظر نہین آتا تھا، اس حادثہ کی وجہ سے، یہ خیال کرکے کہ اب تو طلب علم سے محروم ہوگئے ہین گریہ وزاری کرنے لگے اور اسی حالت مین سو گئے، تو خواب مین نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)

[۱] طبقات الاطبا جلد ۲ صفحہ ۹۰، [۲] معجم الادبا جلد ۳ صفحہ ۸۴ و ۱۰۵، [۳] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۵۴، [۴] بغیۃ الوعاۃ للسیوطی صفحہ ۴۰، [۵] ایضاً صفحہ ۲۹۷، [۶] معجم الادبا جلد ۱ صفحہ ۳۸-۳۹،

کو دیکھا، آپ نے فرمایا کہ کیون روتے ہو، تو عرض کی کہ حضور میری بینائی چلی گئی، اور اب آپ کی احادیث لکھنے سے محروم ہوگیا، اور اپنی مہجوریِ وطن پر روتا ہون، حضور نے اپنا دستِ شفقت ان کی آنکھون پر پھیرا، اور کچھ پڑھکر دم کیا، پھر جب خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ بصارت عود کر آئی ہے، چنانچہ پھر چراغ کی روشنی مین بیٹھکر نقل وکتابت کے کام مین مصروف ہوگئے،[۱]

الرفاء السری (م ۳۶۰ھ) بغداد مین ایک جید شاعر تھے، امرائے بنو حمدان سیف الدولہ وغیرہ کی مدح مین ان کے کئی قصائد ہین، تنگدستی کی وجہ سے پہلے اپنے اشعار لکھ کر بیچا کرتے تھے، پھر جب بہت مقروض ہوگئے تو کتابون کو لکھ کر بیچنا شروع کیا،[۲] بغداد کے ایک جید ادیب اور لغوی ابونصر سلیمان بن قطرمش (م ۶۲۳ھ) کے باپ نے بہت کچھ سامان اور دولت چھوڑی تھی جس کو اس نے قمار اور نرد بازی مین اڑا دیا، بالآخر محتاج ہوکر کتابت شروع کردی اور کئی کتابین لکھین،[۳]

ساتوین صدی ہجری مین فن کتابت کس قدر عام اور ارزان ہوگیا تھا، اس کا اندازہ الشنترینی کے اشعار مندرجۂ بالا سے ہوسکتا ہے، یہ معاش کی طرف سے بہت تنگ آگئے تھے، اور جب کوئی معمولی سی خدمت بھی نہ مل سکی تو کسی صوبہ کے گورنر کے ہان کاتب کے کام پر مامور ہوئے، لیکن وہان بھی گردشِ تقدیر نے چین نہ لینے دیا، تو آخر کار وراقہ سے گذران کرنے لگے،[۴]

کثرت کتابت

کتابت کے سلسلہ مین ایک بات خاص طور پر جاذبِ توجہ ہے، ان کاتبون یا وراقون مین اکثر ایسے زود نویس تھے کہ ان کے حالات پڑھکر ایک طرح کی حیرت طاری ہوتی ہے، حنبلی عالم محدث اور فقیہ احمد بن عبد الدائم المقدسی (م ۶۶۸ھ) بہت خوشخط اور زود نویس تھے، حتی کہ تمام دن مین فرصت کے اوقات مین نو سے زائد کراسہ لکھ ڈالتے تھے، کہتے ہین کہ فقہ کی مشہور کتاب قدوری کو انھون نے صرف ایک رات مین نقل کیا تھا، جو بہت دشوار معلوم ہوتا ہے، پچاس سال تک وہ اس پیشہ مین مشغول رہے، اور جیسا کہ انھون نے اپنے اشعار مین ذکر کیا ہے، دو ہزار جلدون کی کتابت کی اور دو مرتبہ تاریخ دمشق نقل کی جو بہت ضخیم کتاب ہے، اپنی کثرتِ کتابت کی نسبت فرماتے ہین:-

[۱] نکت الہمیان فی نکت العمیان للصفدی صفحہ ۳۱۲، [۲] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۲۵۵ ب، [۳] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۲۴۶، [۴] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۲۶۴ و بغیہ صفحہ ۲۸۸،

عَجِزْتُ عَنْ حَمْلِ قِرْطَاسٍ وَعَنْ قَلَمٍ — قلم وکاغذ کے ساتھ تعلق پیدا کرکے اب مین ان کے

مِنْ بَعْدِ اَلْفَيْ بِالْقِرْطَاسِ وَالْقَلَمِ — اٹھانے سے عاجز آگیا ہون،

كَتَبْتُ اَلْفًا وَ اَلْفًا مِنْ مُجَلَّدَةٍ — مین نے دو ہزار جلدون کی کتابت کی ہے جنمین دنیا بھر

فِيهَا عُلُومُ الْوَرَىٰ مِنْ غَيْرِ مَا اَلَمٍ — علوم بھرے ہوئے ہین بجز انکے جو بے ضرر ہین،

مَا الْعِلْمُ فَخْرُ امْرِءٍ اِلَّا لِعَامِلِهِ — علم ہر عالم با عمل ہی کو فخر ہو سکتا ہے، اگر عمل نہ ہو

اِنْ لَمْ يَكُنْ عَمَلٌ فَالْعِلْمُ كَالْعَدَمِ — تو علم کوئی چیز نہین ہے،

مَا زِلْتُ اَطْلُبُهُ دَهْرِيْ وَاَكْتُبُهُ — مین عمر بھر تحصیل علوم کرتا رہا اور ان کو لکھتا رہا یہانتک

حَتّٰى ابْتُلِيْتُ بِضُعْفِ الْجِسْمِ وَالْهَرَمِ — کہ مین ضعف وپیری مین مبتلا ہوگیا،

بغداد کے مشہور فلسفی یحیی بن عدی کی نسبت ابن الندیم کا بیان ہے کہ وہ کثیر النسخ تھا، ایک مرتبہ کسی دوست نے کثرت کتابت پر ٹوکا، تو کہنے لگا کہ تمھین اس وقت کس بات پر تعجب ہوتا ہے، میرے اس قدر کثرت سے بیٹھے رہنے اور مطالعہ کرنے پر تم تعجب کرتے ہو، حالانکہ مین نے اپنے قلم سے تفسیر طبری کے دو نسخے نقل کرکے اطراف ونواح کے سلاطین کو پیش کئے ہین، اور متکلمین کی کتابین جو لکھی ہین ان کا تو شمار ہی نہین ہے، اور بخدا! آج بھی دن رات مین ایک سو سے زیادہ اوراق لکھتا ہون[1]،

چھٹی صدی ہجری کے ایک محدث شاعر اور ادیب عبد الرحمان مشہور بہ ابن اخوۃ العطار (م ۵۴۸ھ) کی نسبت شاکر الکتبی نے لکھا ہے کہ انھون نے بے شمار کتابین لکھی ہین، ابن النجار نے کتاب التنبیہ مصنفہ ابو اسحاق شیرازی ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی تھی، اس کے آخر مین انھون نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک دن مین لکھی گئی ہے، انھون نے اپنے ہاتھ سے ایک ہزار کتابین لکھی تھین[2]، ساتوین صدی کے ایک محدث فلسفی اور مورخ ابن القوطی (۶۴۲ھ، ۷۲۳ھ) کو نسخ مین ید طولی حاصل تھا، اور نہایت خوشخط کاتب تھے، روزانہ اپنے قلم سے چار کراسہ لکھتے تھے، اس حالت مین کہ وہ پیٹھ کے

[1] نکت الہمیان صفحہ ۹۹ و فوات الوفیات جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ [2] تاریخ الحکما للقفطی صفحہ ۳۶۹ طبع جرمنی،
[3] فوات الوفیات جلد ۱ صفحہ ۲۶۸،

بل لیٹے ہوتے تھے، انھون نے ایک کتاب پچاس جلدون مین لکھی ہو جس کا نام مجمع الآداب فی معجم الاسماء علی معجم الالقاب ہے[1]،

کاتبون کی کثرت

نسخ وکتابت کے پیشہ کے رواج اور کاتبون کی کثرت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اکثر ذاتی، پبلک اور شاہی کتبخانون مین نقل وکتابت کے لئے کاتب بڑی تعداد مین رکھے جاتے تھے، اور ان کو بیش قرار تنخواہین دیجاتی تھین چنانچہ بنو عمار نے طرابلس الشام مین جو عظیم الشان کتبخانہ قائم کیا تھا، اس مین ۱۸۰ کاتب نقل وکتابت پر مامور تھے، جن مین سے تیس ملازمین شب وروز کے کسی حصہ مین بھی کتب خانہ سے علحدہ نہین ہوتے تھے[2]، اسی طرح مشہور مورخ ابو الفداء (والی حماۃ) کے کتبخانہ مین کئی کاتب ملازم تھے، ساتوین صدی کے وسط مین وزیر امین الدولہ ابو الحسن ابن الغزال کے کتبخانہ مین میمون کاتب مقرر تھے، ایک مرتبہ اس نے حافظ ابن عساکر کی تاریخ دمشق کو نقل کرانا چاہا جو بہت باریک خط مین ۸۰ جلدون مین لکھی ہوئی تھی، وہ دس کاتبون کو لکھنے کے لئے دی تو ہر ایک کے حصہ مین آٹھ جلدین آئین، اور وہ دو سال تک لکھتے رہے، تب یہ کتاب پوری ہوئی[3]، اسی طرح قاہرہ[4] اور شیراز[5] کے کتبخانون مین بھی کاتب مقرر تھے، مثلاً مصر مین خلیفہ العزیز کے کتب خانہ مین، اور اندلس مین الحکم کے کتبخانہ مین[6]، ابن خلکان نے فراء نحوی کے حالات مین اس کی دو کتابون کتاب الحدود اور کتاب المعانی کو مامون کی فرمایش سے نقل کرانے کا واقعہ لکھا ہے، جس سے کاتبون کی کثرت کا اندازہ ہو سکتا ہے، فراء نحوی جب خلیفہ المامون کے پاس پہنچا تو اصول نحو پر ایک کتاب تصنیف کرنے کی اس کو فرمایش کی گئی اس کام کے لئے وراقین کو لکھنے کے لئے بٹھایا گیا، چنانچہ دو سال مین فراء نے کتاب الحدود لکھوائی، اس کے بعد جب کتاب المعانی لکھوائی تو املا کے لئے کاتبون کو بلوایا، چنانچہ اتنے کاتب حاضر ہوئے کہ ان کا شمار نہ ہو سکا، اور صرف ان مین جو لوگ قاضی تھے ان کو شمار کیا گیا تو ۸۰ کی تعداد مین تھے[7]،

اسی طرح وزیر ابن کلس کے حالات مین لکھا ہے کہ اس کے مکان مین کاتبون کی ایک جماعت مقرر تھی جو صرف قرآن کریم کی کتابت کیا کرتے تھے، ایک اور جماعت حدیث، فقہ، ادب، طب وغیرہ لکھنے پر مامور تھی، اور کئی کاتب صرف

[1] فوات الوفیات جلد ۱ صفحہ ۲۷۲، [2] تاریخ ابن الفرات قلمی ورق ۳۶، (الزہراء مصر) [3] طبقات الاطباء جلد ۲ صفحہ ۲۴۴-۲۴۶، [4] خطط مقریزی جلد ۱ صفحہ ۴۵۸، [5] معجم الادباء جلد ۵ صفحہ ۴۴۴، [6] مقریزی جلد ۱ صفحہ ۴۰۹، [6] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۴۶
[7] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۲۸،

قرآن مجید کے نسخون پراعراب اور نقطے لگانے پر مقرر تھے،[۱]

خوش نویسی ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد مین نسخ وکتابت سے متعلق ہر چیز کو حیرت انگیز ترقی ہوئی، اس کے ساتھ ہی خطاطی اور خوشنویسی کا فن بھی معرض وجود مین آیا، جس نے ابن مقلہ، ابن البواب اور یاقوت مستعصمی جیسے ماہر خطاط اور [illegible] پیدا کئے، ان خوشنویسون مین بڑے بڑے علماء اور مصنفین تھے مثلاً محدث ابن جوزی، جوہری مصنف کتاب الصحاح، اور نامور [illegible] عبد المومن اصفہانی وغیرہ، ان خوشنویسون کی تحریرین خاص طور پر قابل قدر سمجھی جاتی تھین، اور اس اعتبار سے ان کی قیمت بھی [illegible] ہوا کرتی تھی، یاقوت بن عبد اللہ الموصلی (م ۶۱۸ھ) جس کی کنیت ابو الدرر (موتیون والا) تھی، بہت مشہور خوشنویس تھا، چنانچہ ابن خلکان کا بیان ہے کہ اس کا خط تمام آفاق مین پھیل گیا ہے، جوہری کی کتاب الصحاح سے اس کو خاص شغف تھا، چنانچہ اس کے کئی نسخے لکھ کر اس نے سو سو دینار پر فروخت کئے،[۲] فخر الکتاب جوینی (م ۵۸۶ھ) بغداد کا مشہور کاتب تھا، اس کی لکھی ہوئی کتابین بڑی قیمت پر فروخت ہوتی تھین، ابن خلکان لکھتے ہین کہ مصر مین اس وقت اس کے برابر لکھنے والا کوئی موجود نہین ہے،[۳]

بعض مشہور خوشنویسون کی کتابت اس قدر مرغوب ہوتی تھی کہ ان کی تحریرون مین غلطیان ہونے کے باوجود ان کی بہت قدر ومنزلت کیجاتی تھی، چنانچہ ابن القصار (م ۵۶۷ھ) بغدادی کی لکھی ہوئی کتابون کی، باوجود کتابت کی غلطیون کے بڑی بڑی قیمتین لگائی جاتی تھین،[۴]

اسلامی عہد تہذیب وتمدن مین خوشنویسی اور خطاطی کا فن ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، اور وسیع موضوع ہونے کے لحاظ سے ہم اس پر ایک مستقل مضمون تیار کر رہے ہین، یہان صرف فن کتابت کی مناسبت سے اس کا تذکرہ کیا گیا،

اجرت نسخ کتابت کی اجرت کی کمی بیشی کا دار ومدار اس کی خوشخطی صحت اور ضبط پر ہوتا تھا، اور اس لحاظ سے مشہور کاتبون خطاطون اور خوشنویسون کی تحریرین بہت گران قیمت پر دستیاب ہوتی تھین، قاضی سیرافی فی ورق ایک درم اجرت

۱ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۳۳۴، ۲ ایضاً صفحہ ۲۰۸، ۳ ایضاً جلد ۱ صفحہ ۴۸۱، ۴ ایضاً صفحہ ۴۴۳،

لیتے تھے،[۱] جبرئیل بن بختیشوع طبیب دو سو ورق کا معاوضہ ایک ہزار دینار لیتا تھا، فراء نحوی نے جب مامون کے حکم سے کتاب المعانی لکھوائی تو پہلے انھون نے ۵ ورق فی درم اجرت بتائی، اس پر فراء نے وراقون کو تنگ کیا تو وہ دس ورق فی درم لکھنے پر راضی ہو گئے،[۲] اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری مین بغداد مین ۵ ورق کے لئے ایک درم اجرت نسخ بہت گران خیال کیجاتی تھی، ابن خرزاذ النجیرمی کی تحریرین اگرچہ خوشخط نہین تھین تاہم کثرت صحت کے لحاظ سے اہل مصر اس کو بہت پسند کرتے تھے، یہان تک کہ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان جریر کا ایک نسخہ دس دینار کو بکتا تھا،[۳] مصر کے امیر المیجی (م ۵۹۳ھ) کا خط بہت مرغوب ہونے کی وجہ سے ان کی کتابت کی اجرت فی پچاس ورق ایک اشرفی ہوتی تھی،[۴]

کاغذ فروشی

اگرچہ وراقہ کا اطلاق کاغذ فروشی پر بھی ہوتا ہے، لیکن عربی تواریخ مین اس کے تفصیلی حالات نہین ملتے، البتہ فن کاغذ سازی سے متعلق بعض تفصیلات ملتی ہین، جن کا بیان کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کی طرح کتب فروشون ہی کی دکانون پر کاغذ بھی فروخت ہوتا تھا، کاغذ ساز کے لئے لفظ "کاغذی" مستعمل تھا، جیسا کہ علامہ سمعانی نے لکھا ہے،[۵] ہمارے ہان گجرات اور کاٹھیاواڑ مین کاغذ فروش کو "کاگدی" کہتے ہین، عربی کتابون مین کاغذ کی اقسام کے سوا کاغذ فروشی اور اس کی قیمتون کے متعلق ہمین کوئی معلومات دستیاب نہین ہوئین، لیکن یہ آسانی سے قیاس کیا جا سکتا ہے، کہ اسلامی تہذیب کے اس علمی دور مین کاغذ سازی کی صنعت کے رواج سے کس قدر کثرت سے کاغذ فروخت ہوتا ہوگا، اور کتنی تعداد مین دوکانین اسلامی ممالک مین کاغذ فروشی کے لئے قائم ہو گئی ہونگی، خصوصاً جب کہ ہمین معلوم ہے کہ جابجا کاغذ سازی کے کارخانے قائم ہو گئے تھے، چیتھڑون سے کاغذ بنانے کا طریقہ عہد عباسیہ مین ایجاد ہو چکا تھا،[۶] اور ۱۳۴ھ مین بردی اور کتان سے چین کے طریقہ پر کاغذ بنانا شروع ہو گیا تھا، بعض محققین کا خیال ہے کہ لفظ "کاغذ" چینی زبان کا لفظ ہے، تالاس کے قریب جنگ اطلخ کے بعد چینی اسیران جنگ اس صنعت کو

۱ معجم الادباء جلد ۳ صفحہ ۸۴، ۲ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۲۸، ۳ ایضاً صفحہ ۳۵۱، ۴ ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۵۱، ۵ کتاب الانساب ورق ۴۴۱، ۶ الفہرست صفحہ ۳۱،

سمرقند لائے تھے، تیسری صدی ہجری کے آخر میں کاغذ کا کارخانہ صرف ماوراء النہر میں قائم تھا، اس کے بعد چوتھی صدی میں دمشق، فلسطین، اور طرابلس الشام میں کاغذ سازی کے کارخانے موجود تھے، بااین ہمہ سمرقند کاغذ سازی کا مرکز بنا ہوا تھا، جہاں سے لوگ اپنے کتبخانون کے لئے کاغذ منگوایا کرتے تھے، مشہور انشاپرداز ابوبکر الخوارزمی نے اپنے ایک خط میں مذاقاً اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ چونکہ سمرقند سے بعد مسافت کی وجہ سے کاغذ گران ملتا ہے، اس لئے وہ خط نہیں لکھ سکتا، اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ کاغذ سازی کے مرکز سے دور مقامات پر کاغذ مہنگا فروخت ہوتا ہوگا، ابن الندیم نے کاغذ کے مختلف اقسام کے نام بھی دیئے ہیں، مثلاً فرعونی جو خود مصر میں پاپیرس کا مقابلہ کرتا تھا، سلیمانی منسوب بہ سلیمان بن رشید جو ہارون الرشید کے عہد میں خراسان کا خزانچی تھا، جعفری منسوب بہ جعفر برمکی، طلحی منسوب بہ طلحہ بن طاہر، خاندان طاہریہ کا دوسرا فرمان روا، طاہری منسوب بہ طاہر ثانی جو اسی خاندان کا ایک فرمان روا تھا، نوحی، منسوب بہ نوح اول، آل سامان کا فرمان روا،

جلد سازی

وراقہ کے سلسلہ میں بیجا نہ ہوگا اگر ہم اسلامی فن تجلید کا مختصراً ذکر کرین، مسلمان جلد بندی کے متعلق کس قدر صحیح اور لطیف مذاق رکھتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ عربی تواریخ میں قیمتی چمڑے کی بندھی ہوئی کتابون کا ذکر آتا ہے، ابن الندیم نے لکھا ہے کہ ابتدا میں جلد بندی کے فن میں پوری مہارت نہ ہونے کی وجہ سے نیز چمڑے کو چونے میں دباغت دینے سے جلدین سخت اور درشت بندھتی تھین، اس کے بعد کوفہ میں کھجورون سے دباغت دینے کی ترکیب ایجاد ہوئی جس کی وجہ سے چمڑے میں نرمی اور لچک پیدا ہوگئی، ابن الندیم نے چند مشہور جلد سازون کے نام بھی دیئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:-

لہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۲ صفحہ ۶۲۶، ۲ہ اصطخری صفحہ ۲۸۸ طبع یورپ، ۳ہ احسن التقاسیم للمقدسی صفحہ ۱۸۰ طبع یورپ، ۴ہ سفرنامہ ناصر خسرو صفحہ ۱۱ بمبئی، ۵ہ رسائل الخوارزمی صفحہ ۱۲۵، ۶ہ الفہرست صفحہ ۳۲، ۷ہ صلۃ التاریخ الطبری لعریب القرطبی صفحہ ۹ لیڈن، ۸ہ الفہرست صفحہ ۱۴

(۱) ابن ابی الحریش، جو مامون کے خزانۃ الحکمۃ میں جلد سازی پر مامور تھا، (۲) شفۃ المقراض العجیفی، (۳) ابو عیسیٰ بن شیران، (۴) دمیانۃ الاعسر، (۵) ابراہیم، (۶) اس کا بیٹا محمد بن ابراہیم، (۷) حسین بن الصفار،

آگے چل کر جلدون کو مطلا اور مذہب بنانے اور ان پر نقش و نگار کرنے کا فن بھی بہت ترقی کر گیا تھا، حال ہی میں ایک یورپین مستشرق سارے (Sarre) نے اسلامی جلد بندی پر Islamic Book bin-ding کے نام سے ایک ضخیم کتاب شائع کی ہے جس میں ۳۶ عربی اور ایرانی جلد بندیون کی رنگین تصویرین دی ہیں جو اس قدر خوبصورت اور اعلیٰ قسم کی ہیں، کہ ان پر اصل کا گمان ہوتا ہے، اور ہم یقین کرنے کے لئے ان کو اپنی انگلیون سے چھو کر دیکھنے لگتے ہیں، یہ تصویرین تمام تر برلن کے قیصر فریڈرک میوزیم کی کتابون سے لی گئی ہیں،

تذہیب، تلوین اور تصویر

خطاطی اور تجلید کے ساتھ ہی ساتھ کتابون کی آرایش و تزئین کا فن بھی پیدا ہوگیا، چنانچہ کتابون کو رنگین بنانے، ان پر طلاکاری کرنے اور ان میں تصویر نگاری کے فن میں اسلامی آرٹسٹ اور ماہر خطاطون نے بڑا کمال پیدا کیا تھا، ان میں بعض اہل علم بھی ایسے تھے جو اس فن میں دستگاہ رکھتے تھے، مثلاً ابو عبید اللہ معروف بہ طرسوسی (م ۴۳۰ھ) نحوی، لغوی اور ادیب کے تذکرہ میں سیوطی نے لکھا ہے کہ وہ جلد بندی کے علاوہ فن تذہیب میں بھی کمال رکھتے تھے، علامہ سمعانی نے قلعہ شیزر (شام) کے ایک رئیس اور صاحب علم و فن ابو اسامہ کی نسبت بیان کیا ہے کہ ان کے ہاتھ کا آب زر سے سنہری ابرک پر خوشخط لکھا ہوا قرآن مجید جیسا کہ انھون نے دیکھا ہے ویسا کسی کی آنکھون نے نہ دیکھا ہوگا، ابن الندیم نے حسب ذیل کے نام دیئے ہیں جو قرآن مجید پر تذہیب (طلاکاری) کرتے تھے،

(۱) الیقطینی، (۲) ابراہیم الصغیر، (۳) ابو موسیٰ بن عمار، (۴) ابن السقطی، (۵) محمد، (۶) اس کا بیٹا ابو عبد اللہ الخزرجی (۷) اور اس کا بیٹا جو ابن الندیم کا معاصر تھا،

لہ بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۱۲۱، ۲ہ کتاب الانساب ورق ۳۴۶، ۳ہ معجم الادباء جلد ۲ صفحہ ۱۹۰، ۴ہ الفہرست صفحہ ۱۴

اگرچہ اپنے احکام مذہبی کی بنا پر مسلمان صنعت گرون کی تمام کوششین نقش و نگار اور بیل بوٹون تک محدود رہین لیکن بعد کو کتابون مین تصاویر بھی دیجانے لگین، چنانچہ یاقوت کا بیان ہے کہ ۵۷۰ھ مین وہ شام مین تجارت کتب کے سلسلہ مین گیا تھا، اس کے ذخیرۂ کتب مین ایک نسخہ بلخی کی کتاب صور الاقالیم کا بھی تھا جو نہایت خوشخط اور باتصویر تھا، اس نے سلطان صلاح الدین کے بیٹے ملک الظاہر والی حماۃ کو وہ نسخہ بلاقیمت پیش کیا[1]،

ممالک اسلامیہ اور یورپ کے کتب خانون مین صدہا باتصویر کتابین موجود ہین، جن سے اس صنعت مین مسلمانون کے کمال فن کا اندازہ ہوتا ہے، احمد تیمور پاشا کے کتب خانہ مین ایک طبی مجموعہ آنکھون کے علاج مین ۵۹۲ھ کا ابو الحسن علی بن یونس انصاری کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے، جس مین اعضاء جسمانی کی تصویرین ہین، حنین بن اسحاق وغیرہ کی تصنیف آٹھ رسائل کا ایک قدیم مجموعہ آنکھون کی ساخت اور امراض چشم کے معالجات پر ہے جس مین آنکھ کی عجیب وغریب رنگین تصاویر دیگئی ہین، ان مین سے بعض، جرجی زیدان نے اپنی تاریخ آداب اللغۃ مین نقل کی ہین، استنبول مین سلطان محمود کے کتبخانہ مین قانون بوعلی سینا کا ایک باتصویر نسخہ پانچوین صدی ہجری کا لکھا ہوا موجود ہے، جس مین نباتات، مچھلیون اور حیوانات کی تصویرین ہین، اسی طرح دمشق کے مکتبہ آل ایوبی مین قزوینی کی عجائب المخلوقات کا ایک نسخہ ہے، جس مین عجیب وغریب رنگین تصویرین ہین، لبنان کے ایک عیسائی فاضل جرجیس بک صفا کے پاس ابن فضل اللہ العمری کی مسالک الابصار کی دو جلدین موجود ہین، جن مین حیوانات اور نباتات کی تصویرین ہین، پیرس اور پٹرسبرگ کے کتبخانون مین عربی کتابین باتصویر ہین، ان مین عبد الرحمن صوفی کی کتاب الکواکب والصور کا ایک نسخہ ہے، جس مین ستارون کی تصویرین جاندارون کی ہیئت مین بنائی گئی ہین، پٹنہ کے کتبخانہ مین اندلس کے مشہور سرجن ابو القاسم الزہراوی ۵۰۰ھ کی کتاب التصریف موجود ہے، جس مین آلات جراحی کی تصویرین دی گئی ہین[2]،

تجارت کتب

مسلمانون کے علمی ذوق و شوق اور کتابون کی کثرت کی وجہ سے بلاد اسلامیہ مین تجارت کتب کی زبردست

[1] معجم الادباء، [2] محاضرات المجمع العلمی العربی جلد ۱ صفحہ ۱۸۵،

منڈیان قائم ہوگئی تھین، اور کاغذ کے رواج نیز قیمتون کی ارزانی کے باعث کتابون کی تجارت کو بڑا فروغ حاصل ہوا، مورخ یعقوبی لکھتا ہے کہ تیسری صدی ہجری مین بغداد مین ایک سو دکانین کتب فروشون کی تھین[1]، مقریزی نے قاہرہ کی سوق الکتبیین کا ذکر کیا ہے[2]، بقول خطیب بغدادی چوتھی صدی ہجری کے وسط مین بغداد مین کتب فروشون کا بازار بہت معمور با رونق اور دکانین کتابون سے بھری ہوئی تھین[3]، یہ دکانین چھوٹی چھوٹی، ایک دوسری سے متصل اور عموماً کسی مسجد کے قرب وجوار مین واقع ہوتی تھین، لکڑی کی چوکیون پر فروخت کے لئے رکھی ہوئی کتابون کی پشت پر ایک چٹ لگا دی جاتی تھی، تاکہ خریدار یا کتب فروش کو کتاب کا نام معلوم کرنے مین آسانی ہو، خود کتب فروش یا اون کے ملازمین اس قسم کی چٹین لگا دیا کرتے تھے، اس سلسلہ مین یہ معلوم کرنا لطف سے خالی نہ ہوگا کہ آٹھوین صدی کے ایک نابینا عالم زین الدین آمدی باوجود اندھے ہونے کے کتابون کی تجارت کرتے تھے اور وہ اپنی تمام کتابون کی قیمت سے واقف تھے، اس طرح پر کہ جب کوئی کتاب خریدتے تو ایک باریک کاغذ کی بتی بنا کر اس سے حساب جمل کے مطابق حروف تہجی بنا کر جلد کے اندر ایک کونے پر چپکا دیتے اور اس پر اتنا ٹکڑا کاغذ کا لگا دیتے جس سے کاغذ دب کر حروف ابھر آتے، اور جب کتاب کی قیمت یاد نہ ہوتی تو اس مقام کو ٹٹول کر معلوم کر لیتے[4]،

عام طور پر کتابین خانگی یا نیلام سے فروخت کیجاتی تھین، اور نیلام کرتے وقت جو شخص آواز لگاتا اس کو منادی کہتے تھے[5]، ان کتب فروشون مین اکثر اہل علم و فضل ہوتے تھے، مثلاً مشہور لغوی اور ادیب ابو حاتم سہل بن محمد السجستانی اور مشہور مورخ وجغرافیہ نویس یاقوت ۶۲۶ھ وغیرہ ان کتب فروشون کے ایجنٹ بھی ہوتے تھے، جو دلال الکتب اور سمسار الکتب کہلاتے تھے[6]، وہ کتابون کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے، جیسے شاعر الخظیری جو اپنے پیشہ کی وجہ سے دلال الکتب کے نام سے مشہور تھا[7]، اسی طرح مصر مین الوجیہ ابن صورہ کتابون کا ایجنٹ تھا، جو اپنے مکان کے دروازہ پر بیٹھا کرتا تھا، اور دوشنبہ اور چہارشنبہ کو بڑے بڑے علماء و رؤسا اس کے ہان جمع ہوتے تھے، اور وہ اپنی کتابین ان کے ہاتھ

[1] دان کریمر بحوالہ یعقوبی، [2] خطط مقریزی جلد ۳ صفحہ ۱۶۵، [3] اقتباس از تاریخ خطیب جلد ۲، مندرجہ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۱، [4] نکت الہمیان صفحہ ۲۰۷، ۲۰۸، [5] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۱۹۷، [6] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۶۳، [7] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۸۶،

فروخت کیا کرتا تھا۔[۱]

قیمت کتب کاغذ کے رواج اور کثرت تجارت کتب کی وجہ سے اگرچہ کتابوں کی قیمتیں نسبتہً بہت ارزان ہو گئی تھیں تاہم وہ کچھ زیادہ ارزان نہیں معلوم ہوتیں، پانچویں صدی ہجری میں جمہرۂ ابن درید کا ایک نسخہ ساٹھ دینار پر (تقریباً سوا چار سو روپیہ میں) فروخت ہوا[۲] طبری کی ضخیم کتاب کا ایک نسخہ سو دینار (سات سو روپیہ) میں خریدا گیا[۳] اموی شاعر جریر کا دیوان دو سو دینار (۱۴۰۰ روپیہ) میں بکا[۴]، خلیل بن احمد کی کتاب العین کا ایک نسخہ، جسے ایک کتب فروش خراسان سے بصرہ کے بازار میں لایا تھا، پچاس دینار (۳۵۰ روپیہ) میں فروخت ہوا[۵]، اسکندر افرودیسی کی کتاب الاکو(ن) شرح (السماع) کے عربی ترجمہ کا ایک نسخہ سو دینار پر خریدا گیا[۶]، لیکن رفتہ رفتہ کثرت نسخ اور کثرت تعداد کتب کی بنا پر کتابوں کی قیمت میں تخفیف ہو گئی،

یہاں کتابوں کی قیمت کے متعلق ایک مغالطہ عام طور پر پایا جاتا ہے جس کو دور کرنا چاہئے، سید امیر علی[۷] [illegible] مس اولگا پنٹو (Olga Pinto) اور اس کے تتبع میں پروفیسر کرنیکو (Krenkow) نے [illegible] حموی کی ایک تحریر سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس زمانہ میں ایک کتاب کا اوسط قیمت ایک دینار تھا، حالانکہ یاقوت کی عبارت کا یہ مطلب نہیں ہے، چنانچہ وہ مرو کے کتبخانۂ الدمیریہ سے کتابیں مستعار لینے کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے[۸]،

لا یفارق منزلی منہ مائتی مجلدٍ	میری قیامگاہ کبھی دو سو کتابوں سے خالی نہیں ہوتی
وأکثرھا بلا رھنٍ، تکون قیمتھا	تھی اور ان میں اکثر بغیر رہن کے ہوتی تھیں جنکی قیمت
مائتی دینار،	دو سو دینار ہوتی تھی،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یاقوت کے پاس مستعار کتابوں میں سے اکثر دو سو دینار کی قیمت تک کی کتابیں ہوتی تھیں اس لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ اس زمانہ میں فی کتاب ایک دینار قیمت کا اوسط پڑتا تھا،

۱؎ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۴۲۳، ۲؎ ایضاً صفحہ ۴۷۹، ۳؎ مقریزی جلد ۱ صفحہ ۴۰۸، ۴؎ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۵۲۲، ۵؎ الفہرست صفحہ ۴۲، ۶؎ طبقات الاطبا جلد ۱ صفحہ ۶۹-۷۰، ۷؎ ہسٹری آف سارا سینز صفحہ ۴۷۰ طبع جدید، ۸؎ اسلامی کتبخانے عہد عباسیہ میں جلد ۱ اردو ترجمہ صفحہ ۹، ۹؎ معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۵۰۹ و ۵۱۰،

بعض اوقات مالی احتیاج کی بنا پر اہم اور قیمتی کتابیں معمولی قیمت پر دستیاب ہوتی تھیں، چنانچہ بو علی سینا کہتے ہیں کہ میں نے ارسطو کی کتاب مابعد الطبیعۃ پڑھی مگر اس کے مطالب کو سمجھ نہ سکا، اور باوجودیکہ میں نے اسے چالیس مرتبہ پڑھکر حفظ کر لیا تھا، پھر بھی اس کو میں اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا تھا، انہی دنوں میں ایک روز عصر کے وقت کتب فروشوں کے بازار میں گیا، اس وقت دلال ایک کتاب نیلام کر رہا تھا، اس نے مجھے ایک کتاب پیش کی جو میں نے بیکار سمجھ کر واپس کر دی، اس نے کہا اسے لو بہت سستی ہے، صرف تین درم (۱۲) میں دیتا ہوں، اس کے مالک کو روپیہ کی ضرورت ہے، چنانچہ اس کے اصرار سے میں نے وہ کتاب خرید لی، یہ ابو نصر فارابی کی کتاب فی اغراض مابعد الطبیعۃ تھی جس نے ارسطو کی کتاب کے مطالب مجھ پر واضح کر دیئے، اس خوشی میں میں نے بطور شکرانہ فقراء کو بہت کچھ صدقہ دیا[۱]،

کتب فروشوں کی چالاکیاں چونکہ کتب فروشی اس زمانہ میں بہت منفعت بخش پیشہ ہو گیا تھا، اور کتابوں کی بڑی بڑی قیمتیں ملتی تھیں، اس لئے بعض چالاک اور متفنی کتب فروش کسی مشہور مصنف کی کتاب میں اضافہ کرکے یا اس کے نام سے منسوب کرکے بڑی بڑی قیمتیں وصول کیا کرتے تھے، چنانچہ مشہور موسیقی دان اسحاق موصلی کی وفات کے بعد ایک کتب فروش نے گیتوں کی ایک کتاب لکھکر اس کے نام سے فروخت کی[۲]، اس قسم کی پر فریب حرکتیں ان کتب فروشوں کے بازار میں اکثر ہوتی رہتی تھیں، بعض اوقات جعلی مہروں اور جھوٹی تاریخوں والے مخطوطات معرض بیع میں لائے جاتے تھے، لیکن یہ چالاکیاں کتب فروشوں تک ہی محدود نہ تھیں، بلکہ خریدار بھی بعض اوقات ان کو دھوکا دینے کے لئے آمادہ نظر آتے تھے، چنانچہ عبید اللہ بن احمد الختاب نحوی کتب فروشوں کے بازار میں پہنچ کر جہاں کتابوں کے ڈھیر نیلام کے ذریعہ فروخت ہوتے تھے، کتابوں کو ٹٹولتے اور جب کوئی کام کی کتاب نکل آتی جسے خریدنا منظور ہوتا تو کتب فروش کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس میں سے کچھ ورق علحدہ کر دیتے، اور اسے نامکمل بتا کر سستے داموں خرید لیتے، پھر بقیہ اوراق بھی معمولی قیمت پر حاصل کر لیتے[۳]، بغداد کے ایک قاضی ابو سعید سیرافی کی نسبت بغداد کے کتب فروشوں ابن الخزاز، ابو بکر القنطری اور ابو الحسین الخراسانی کا بیان ہے کہ قاضی صاحب جب کوئی کتاب فروخت کرنا چاہتے تو تنگی معاش کی وجہ سے زیادہ قیمت حاصل کرنے کے لئے اپنے

۱؎ طبقات الاطباء جلد ۲ صفحہ ۳-۴، ۲؎ الفہرست صفحہ ۱۴۱، ۳؎ بغیۃ الوعاۃ بحوالہ القفطی تذکرۃ النحاۃ صفحہ ۲۰۸،

شاگردون سے لکھوالیتے، اور خواہ اس کا ایک حرف بھی انھون نے نہ دیکھا ہوتا، مگر وہ اس کے آخر مین لکھدیتے کہ مین نے
اس کتاب کا اصل سے مقابلہ کرکے تصحیح کی ہے، اس سے مقصد یہ تھا کہ معتبر ہونے کی وجہ سے زیادہ قیمت پر فروخت ہو،

کتب فروشون کی دوکانون پر مجالس علمیہ، اس زمانہ کی علمی سوسائٹی مین کتب فروشون کی دوکانون کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی، یہ عام طور سے علماء اور طلبہ کی نشستین رہا کرتی تھین، یہ کتب فروش صرف ناشرین علم ہی نہین بلکہ
اکثر وہ خود بھی مصنف ہوا کرتے تھے، سوق الکتب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ وزیر المہلبی نے اپنے
کو نصیحت کی تھی، کہ وہ بازار مین سوائے کتب فروشون کی دوکانون کے اور کہین نہ ٹھہرے[1]، اس سلسلہ مین مقریزی نے کسی
شاعر کے یہ اشعار نقل کیے ہین[2]:-

مجالسۃ السوق مذمومۃ	بازار مین بیٹھنا بری بات ہے،
ومنها مجالس قد تحتسب	اور بعض نشستین ایسی ہین جن پر احتساب کیا جاتا ہے،
فلا تقربن غیر سوق الجیاد	تو سوائے گھوڑون کے بازار اور ہتھیارون کے
وسوق السلاح وسوق الکتب	بازار اور بازار کتب کے اور کہین نہ ٹھہرو،
فهاتیک آلۃ اهل الوغی	کیونکہ وہ جنگجو سورماؤن کے آلات ہین،
وهاتیک آلۃ اهل الادب،	اور یہ (بازار کتب) اہل ادب کا آلہ ہے،

اس بنا پر یہ دوکانین شائقین علم کی تفرجگاہین بنی ہوئی تھین، چنانچہ یاقوت نے سعد نامی کتب فروش کی دکان کا ذکر کیا
ہے، جو مقام رہا مین واقع تھی، اور جہان ہر وقت تمام ادبار کی نشست رہا کرتی تھی، یہ سعد کوئی معمولی یا جاہل آدمی نہ تھا
بلکہ بڑے علم دوست شاعر اور ادیب تھے[3]، اسی طرح یاقوت نے ابو الغنائم حبشی بن محمد نحوی (م ۵۶۵ھ) کے حالات
مین لکھا ہے، کہ جس وقت وہ بغداد مین تھے تو باوجود نابینا ہونے کے ہمیشہ رات کے وقت سوق الکتب مین جو ان کے
مکان سے قریب تھی، جایا کرتے تھے، اور اسی طرح تیس برس تک جاتے رہے[4]، ساتوین صدی کے ایک عالم ابن القوبع کی

[1] معجم الادبا جلد ۲ صفحہ ۱۹، [2] الفخری صفحہ ۳۴ مصر [3] خطط جلد ۳ صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶، [4] معجم الادبا جلد ۲ صفحہ ۲۳ وتزیین الاسواق، [5] معجم جلد ۳ صفحہ ۴ ونکت الهمیان صفحہ ۱۳۴،

نسبت سیوطی لکھتے ہین کہ وہ دمشق مین کتب فروشون کے بازار مین بیٹھا کرتے تھے[1]، ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) بغداد کی سوق الوراقین
کا ذکر کرتے ہوئے، تحریر فرماتے ہین کہ وہ علماء اور شعراء کی نشستگاہ تھی[2]، مقریزی نے مصر قدیم کے بازار کتب فروشان کا ذکر
کیا ہے، جس کے آثار اسکے زمانہ ۷۸۰ھ تک باقی تھے اور اس کے بعد یہ بازار قاہرہ (مصر جدید) مین منتقل ہو گیا تھا، اسکی
نسبت وہ لکھتے ہین کہ یہ بازار ہمیشہ اہل علم کا مرکز اجتماع تھا، جہان وہ بار بار آیا کرتے تھے[3]،

خاتمہ،

صنعت وراقہ کی ترقی اور اس کی وسعت کا اندازہ کرنے کے لئے صرف یہ کافی ہوگا کہ ان بے شمار ذاتی، وقف شدہ،
شاہی اور عام کتبخانون کی تعداد کتب کا خیال کیا جائے، جو تمام ممالک اسلامیہ کے طول و عرض مین جا بجا مساجد، مدارس،
خانقاہون، سراؤن، شفاخانون اور شاہی محلون مین پھیلے پڑے تھے،

ہمارا خیال ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے اتنی کتابین لکھی، لکھوائی اور جمع نہ کی ہون گی، جتنی کہ مسلمانون نے اپنے عہد حکومت
مین کی تھین، افسوس اور صد افسوس! کہ عربی دنیا کا وہ عظیم الشان سرمایہ جو لاکھون کرورون کی تعداد مین مہیا ہو گیا تھا،
اس کا ایک بڑا حصہ حملہ تاتار کی بدولت غرق دجلہ ہوا، کچھ صلیبی مجاہدین کی وحشیانہ غارت گری سے نذر آتش ہوا، کچھ آپس کی
خانہ جنگیون مین برباد ہوا، باایں ہمہ آج بھی مشرق اور مغرب کے بڑے بڑے کتبخانون مین فرزندان اسلام کی علمی داستانون
کے اوراق لاکھون کی تعداد مین بکھرے پڑے ہین،

کچھ قمریون کو یاد ہین، کچھ بلبلون کو حفظ
عالم مین ٹکڑے ٹکڑے میری داستان کے ہین

———.———

[1] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۷، ۹، [2] مناقب بغداد صفحہ ۲۶، [3] خطط مقریزی جلد ۳ صفحہ ۱۶۵،

تلخیص و تبصرہ

جزیرۂ مالٹا کی موجودہ زبان اور عربی زبان

جزیرہ مالٹا پر عربوں نے تقریباً ۲۲۰ سال حکومت کی، یہ جزیرہ، جزیرۂ صقلیہ کی اسلامی حکومت کے ماتحت تھا، اس پر صقلیہ کے مسلمانوں نے ۲۵۶ھ میں قبضہ کیا، اور صقلیہ کی اسلامی حکومت کے زوال کے بعد یہ جزیرہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر نارمنوں کے قبضہ میں چلا گیا، اور جب سرزمین صقلیہ سے مسلمانوں کی آخری جلا وطنی ہوئی، تو جزیرۂ مالٹا کو بھی ۶۴۷ھ (۱۲۴۹ء) میں مسلمانوں کے وجود سے خالی کرا لیا گیا،

اس طرح عربوں کو کل ۲۲۰ سال یہاں فرمانروائی کا موقع ملا، عربوں کے بعد یورپ کی مختلف قوموں نے یہاں حکومت کی، مثلاً نارمنوں نے ۴۴۰ برس تک اس پر قبضہ رکھا، جرمنوں کو ۷۲ سال حکومت کا موقع ملا، پھر اسپینیوں نے ۲۴۴ سال حکومت کی، پھر بعض دوسرے عیسائی حکمران ۲۶۸ سال فرمانروائی کرتے رہے، آخر میں کچھ دنوں ترکوں کو بھی حکومت کا موقع ملا، اور عربوں سے پہلے ۷۳۳ برس یونانیوں کی حکومت رہ چکی تھی،

لیکن یہ حیرت انگیز واقعہ ہے کہ مالٹا سے عربوں کی حکومت کے زوال کے تقریباً ایک ہزار برس کے بعد بھی (جب کہ ان سے زیادہ مدت تک دوسری قوموں کو فرمانروائی کا موقع مل چکا ہے، اور وہ اپنی اپنی زبانوں کے ساتھ یہاں رہ چکے ہیں) وہاں کی ملکی زبان پر عربوں کی محض ۲۲۰ سالہ حکومت کے دور کے ایسے گہرے نقوش اب تک قائم ہیں، کہ کوئی ماہر لغت آج مالٹا کی زبان کی اصل بجز عربی کے کسی دوسری زبان کو قرار نہیں دے سکتا،

قومیت کے جدید امتیاز یعنی موجودہ تحریک وطنیت کے دور میں مالٹا میں بھی یہ آواز پیدا ہوئی یا پیدا کرائی گئی ہے، کہ مالٹا کی ملکی زبان مالطی یعنی مالٹوی ہے، اس کا اساس و بنیاد کسی مستقل منفرد زبان پر قائم نہیں، عربی زبان سے بھی اسے اسی طرح علاقہ ہے جس طرح دوسری اجنبی زبانوں سے، چنانچہ اسی مناسبت سے مصر کے ایک اہل قلم محمد بک وجیہ نے اس موضوع پر ایک مضمون رسالہ الہلال بابت ماہ فروری ۱۹۳۴ء میں شائع کرایا ہے، موصوف دو مرتبہ مالٹا جا چکے ہیں، اور اہل مالٹا سے روابط رکھتے ہیں، اور مالٹا کی موجودہ زبان سے بخوبی واقف ہیں، انھوں نے مالٹا کی زبان کے ایک لغت، اور بعض رسائل و اخبارات کے اقتباسات دکھا کر عربی اور مالطی زبان کے باہم تعلقات دکھائے ہیں، اور اسی سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ اس وقت مالٹا میں اطالوی و انگریزی زبانوں میں مسابقت جاری ہے، کیونکہ یہ امر واقعہ ہے کہ موجودہ مالطی زبان میں عربی زبان کے بعد زیادہ اثرات اطالوی زبان ہی کے ہیں، اور حکومت اٹلی آجکل بھی اپنی زبان کے رواج دینے اور برطانوی حکومت اُس کے اثرات کو روکنے میں مصروف ہے، لیکن خود باشندگانِ مالٹا اطالوی زبان کے حق میں ہیں، اور اس کو رواج دینے کے لئے کوشاں ہیں، لیکن جزیرہ کی برطانوی دستوری حکومت نہایت شد و مد سے اس کی مخالفت پر آمادہ ہے، چنانچہ دستوری قوانین کی رو سے آجکل مالٹا کے مدارس ابتدائی میں تو صرف مالطی اور انگریزی زبانیں پڑھائی جاتی ہیں، اور پھر اطالوی زبان ثانوی مدارس میں بھی ممنوع قرار پا چکی ہے، تاہم حکومت اٹلی اور باشندگانِ مالٹا دوسرے ذرائع سے جزیرہ میں اطالوی زبان کے رائج کرنے میں مصروف ہیں،

اسی سیاسی کشمکش کا نتیجہ ہے کہ یہ تحریک پیدا کرائی گئی ہے کہ مالٹا کی موجودہ زبان مالطی ہے، اور اس کی بنیاد و اساس کسی دوسری زبان پر نہیں، لیکن مالطی زبان کے الفاظ، تلفظات اور لہجے اس پروپگنڈے کے ابطال کے لیے کافی ہیں، اگرچہ آج مالطی زبان کا رسم خط لاطینی ہے، اور یہاں کی موجودہ سیاسیات میں کسی اسلامی حکومت کو دخل نہیں، اور نہ موجودہ یورپین قومیں اس حقیقت کا اب اقرار کر سکتی ہیں کہ مالٹا کی موجودہ زبان تمامتر عربی زبان کے اساس و بنیاد پر قائم ہے، تاہم یہ واقعہ ہے کہ عربوں کی محض اسی ۲۲۰ سالہ حکومت کا یہ حیرت انگیز اثر ہے کہ اس جزیرہ کی زبان بھی اسی طرح عربی ہے، جس طرح مصر اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی وہ مادری زبان ہے،

چنانچہ مالٹی زبان کے الفاظ، ترکیبیں، جملے، اور عبارتیں، اپنی نوعیت واصل کے اعتبار سے، ۹۰ فیصدی عربی ہوتی ہیں، ۱۰ فیصدی میں غالب تعداد ایطالوی زبان کے لفظوں اور ترکیبوں کی ہے، اور پھر دوسری زبانوں کے لفظ ہیں، اس لئے اگر آج مالٹا میں بھی عربی زبان کے قیام وبقا واحیار کے ویسے ہی مواقع ہوتے جیسے مصر و شمالی افریقہ وغیرہ میں حاصل ہیں، اور اس زبان کا رسم الخط لاطینی کے بجائے عربی ہوتا، تو آج مصر و مالٹا کی زبان میں سر مو فرق نہ ہوتا، کیونکہ اگر مالٹی زبان میں ۱۰ فیصدی اجنبی زبانوں کے اثرات ہیں، تو ایطالوی، فرنچ اور انگریزی زبانوں کے یہ اثرات مصر کی خالص عربی زبان میں بھی کم وبیش پائے جاتے ہیں، اور اس لیے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ موجودہ مالٹی زبان میں جو ۱۰ فیصدی غیر عربی الفاظ اور ترکیبیں ہیں، وہ عربی اثرات کے زوال کے بعد اس زبان میں داخل ہوئے ہیں، اور اس لئے انھیں اصل زبان قرار نہیں دیا جاسکتا، ذیل کے اقتباسات سے اس حقیقت کا پورا اندازہ ہوگا

الفاظ

عربی الفاظ	مالٹی زبان کے الفاظ جس طرح اہل مالٹا زبان سے ادا کرتے ہیں	عربی الفاظ	مالٹی زبان کے الفاظ جس طرح اہل مالٹا سے ادا کرتے ہیں
الخبز	حبز	اللبن	حلیب[1]
الماء	إلما	الزیت	زیت
النبیذ	إمبیت	الملح	ملح
الطفل	طفل	السکینة	سکینة
الخل	حل	المرأة	مرا
الدقیق	تقیق	بائع اللبن[2]	تاع الحلیب
الفرن	فرن	الخیاط	خیاط

[1] معارف: - الحلیب بھی خالص عربی ہے [2] معارف: - بائع الحلیب بھی کہ سکتے ہیں "ز"

السکر	زوکر	الفوان	تاع الحبز

تراکیب

عربی	مالٹی	عربی	مالٹی
الثلاثاء القادم[1]	الثلاثا الجایین	غداً الخامس عشر	بعا الغد احمتاش
الاربعاء الماضی	الاربعا اللی عدو	شیٔ جمیل	شی جمیل
کل یوم خمیس	کل نھار تاع خمیس	النھار کلہ	ال (جورنا - ایطالوی لفظ) کلھا
الیوم الجمعة	اللوم الجمعة	دعنی انظر اسنانہ	حلی نرحٰ سنینہ

جملے

عربی	مالٹی	عربی	مالٹی
کم هم ؟	کم هم	ناذاک الرجل	صیح لداک الراجل
هم اثنان فقط	هم تنین بس	هل هذا للبیع ؟	دن عالبیع ؟
هل یمکن ؟	یسطاع یکون ؟	کم مضی علیک هنا ؟	کم الک هاون ؟
من یعرف ؟	مین یعاف ؟	لا تتکلم بسرعة هکذا !	تتکلمش هیک معجل
احب أتعلم	نشتاق نتعلم	لیس عندی شیٔ واحد	ما عندلیش حلاف واحد
بکل سرور	بال (ریباشیر) کلہ (ریباشیر ایطالوی لفظ ہی بمعنی سرور)	لا شأن لی	ما نخصنیش فیھا (لا یخصنی شیٔ فیھا)
من قال لک ؟	مین قال لک ؟	ماذا بک ؟	شعندک او شی تحس ؟
ماذا ترید ؟	شی ترید ؟	من فضلک	ایاک تتجبک

ان الفاظ، ترکیبوں اور جملوں میں عربی دانوں کو یہ بھی اندازہ ہوگا کہ بعض الفاظ یا جملوں کے سامنے جو مالٹی الفاظ یا جملے بظاہر عربی جملوں اور لفظوں سے مختلف نظر آتے ہیں، ان میں بھی کوئی ان کا مترادف عربی لفظ یا عربی

[1] معارف: الثلاثاء الجائی سے زیادہ قریب ہے "ز"

کا مادہ موجود ہے، اب ذیل کی چند مسلسل عبارتیں ملاحظہ ہوں،

مالٹی زبان کی عبارت لاطینی حروف میں	عربی حروف میں	مالٹی عبارت کی توضیح عربی زبان میں
Inhabbru il me- ullan sur Frances- co Spilerila 31 Se- naminn tlezzal bar limiel il gimgha l'ohra mara mardala 15 il giurnala iec- onforlat lis Sacra- menti Halla fin nichel lil adollo- rala malu, uliedu- u-ommuhulu. Kr- abatuuhliebu li naluhom l'ghom- or u issabar	نخبروا العوت تا السور فرانشیسکو سبیتری تا ۳۱ سنة من حاطبارا اللی مات الجمعة الاخری ورامرضه تا ۱۵ ال رجورناتا (ایطالوی) ایکونفورتاتا (ایطالوی) بال "سکرامنتو" (ایطالوی)	نخبر بموت......البالغ ۳۱ سنة من بلدة......الذی مات الجمعة الماضیة بعد مرض ۱۵ یوما مزودًا باسرار الکنیسة،
Akbarijellah malta	اخباریات تاع مالطا	اخبار مالطه
Id Direllur lulPosta jgharrafilli millio- milkuddiem ilPosta direllaghal napoli Ighalak fil uffic- iolal Posta il Belt fil 8a.m. nharil Tlieta il Hamis o is salt	الدیریتیور (ایطالوی) تاع البوسطة یعرف اللی ملیوم لقدام البوسطة دیرتا (ایطالوی) علی نابولی بالاریوبلان (الطیارة) تغلق فی الاوفیسیو (ایطالوی) تاع البوسطة البلد ال A.m ۸ نهار والسبت الثلاثا الخمیس والسبت،	مدیر البوسطة یعلن انه من الآن فصاعدًا، البوسطة المصدرة الی نابولی تغلق فی مکتب بوسطة البلد فی الساعة ۸ صباحًا ایام الثلاثا والخمیس والسبت، "ر"

ایران کی موجودہ صحافت

پچھلے دس سالوں کے اندر ایرانی زندگی کے ہر شعبہ میں بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں، ان میں سے ایک نمایاں تبدیلی ابتدائی تعلیم کی ترقی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اخباروں اور رسالوں کی مانگ زیادہ ہوگئی ہے۔

ایران کی آبادی تقریباً ایک کروڑ بیس لاکھ ہے، تخمیناً اس کا دس فی صدی حصہ لکھ پڑھ سکتا ہے، پوری آبادی کی ایک چوتھائی خانہ بدوش قوموں پر مشتمل ہے جو اپنے گلوں کو لئے ہوئے گھاس اور پانی کی تلاش میں پہاڑوں پر گھومتی پھرتی ہیں، نصف آبادی چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں رہتی ہے اور زراعت کا پیشہ کرتی ہے، بقیہ چوتھائی وہاں کے بڑے بڑے شہروں کی آبادی ہے جو تعداد میں بہت کم ہیں، یہی حصہ لکھ پڑھ سکتا ہے، اور یہیں اخبار پڑھنے والے پائے جاتے ہیں،

دار السلطنت طہران سے اس وقت سات روزنامے شائع ہوتے ہیں، اور تبریز، اصفہان، ہمدان، قزوین، رشت، اور مشہد کے اخبارات ہفتہ میں کئی بار نکلتے ہیں، طہران کے متعدد روزناموں میں بجز ایک کے اور سب صبح کو شائع ہوتے ہیں، ان میں سے اشاعت کی کثرت اور اپنے اثر کے لحاظ سے "ایران"، "شفق سرخ"، "ستارۂ جہاں"، اور "اطلاعات" زیادہ ممتاز ہیں، سب سے بڑے روزنامہ کی تعداد اشاعت تین ہزار ہے، اس شمار میں وہ تعداد بھی شامل ہے جو مدیر کے احباب اور مختلف مدارس کو بھیجی جاتی ہے، "ستارۂ جہاں" کے پرچے مدارس نسواں کی تمام معلمات کے پاس بھیجے جاتے ہیں،

ان اخباروں کے علاوہ متعدد رسالے بھی ہیں، جنمیں سے آجکل سب سے زیادہ نمایاں مصور ہفت روزۂ "ایران باستان" ہے، یہ رسالہ بمبئی کے زردشتی فرقہ کے زیر نگرانی نکلتا ہے، اس میں یورپ کی خبروں اور تصویروں کے علاوہ ایران کے مختلف حالات اور کھیل وغیرہ کی تصویریں ہوتی ہیں، "ایران باستان" کی ایک نہایت ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مدیر حتی الامکان صرف ایرانی الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جدید ایرانی صحافت کی ایک بڑی

کمزوری یہ ہے کہ غیر زبانوں کے الفاظ اور فقرے ایرانی رسم خط میں نقل کر دیئے جاتے ہیں، جنکا سمجھنا ناظرین کے لئے

بیشتر دشوار ہوتا ہے،

ہفتہ وار مزاحیہ "ناہید" سالوں سے جاری ہے، اگر ایسا ہوتا ہے کہ حکومت وقت کے خلاف کسی قسم کے

کارٹون کی اشاعت پر یہ کچھ دنوں کے لئے بند کر دیا جاتا ہے،

حال تک اخباروں کی آمدنی کا خاص ذریعہ حکومت کے عہدہ داروں سے ان کی بے ضابطگیوں کی پردہ پوشی

کے معاوضہ میں روپیہ حاصل کرنا تھا، نتیجہ یہ تھا کہ اخبار بہت تھوڑے دنوں تک جاری رہ سکتے تھے، چند سال ہوئے

کسی اخبار کے مدیر نے حکومت کے ایک عہدہ دار کے خلاف جس نے معہودہ رقم کے ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا کوئی

بات شائع کی، محتسب (سنسر) فوراً اخبار کو ضبط کرنے کے لیے پہنچ گیا، لیکن اس نے دیکھا کہ دفتر اور مطبع سب خالی

پڑا ہے، دوسرے روز وہ پرچہ حسب معمول پھر نکلا، فرق صرف یہ تھا کہ اب بجائے "ستارہ شمال" کے "ستارہ ترق"

کے نام سے نکلا، اور اس نے اپنا مقام اشاعت تبدیل کر دیا تھا،

لیکن اب امریکہ کے موٹروں کی تجارت سے اس حالت میں بہت کچھ فرق آگیا ہے، جب امریکہ کی موٹر گاڑیاں

اور ان کے پرزے وغیرہ ایران کے بازاروں میں کثرت سے آنے لگے تو ان کے اشتہار کا رواج بھی شروع ہو گیا، ان

اشتہاروں کی طباعت سے اخباروں کے لئے ایک مستقل آمدنی کا ذریعہ پیدا ہو گیا،

ایران کے نوجوانوں نے صحافت کو بطور ایک پیشہ کے اختیار کرنا شروع کر دیا ہے، طہران کے امریکن کالج میں

صحافت کا جو نصاب ہے اس سے روز بروز زیادہ دلچسپی لیجا رہی ہے،

طہران کے تمام بڑے بڑے اخبار اب تار کے ذریعہ سے ماسکو، برلن، پیرس اور لندن سے خبریں منگاتے ہیں،

اب سے دو سال قبل تک ہر اخبار کی اشاعت سے قبل محکمۂ پولیس کا ایک محتسب اس کی ایک ایک سطر پڑھ

لیتا تھا، اور اگر کوئی بات کسی نہج سے بھی حکومت کے خلاف درج ہوتی، یا آزادی نسواں کی حمایت میں کچھ لکھا ہوتا، یا

کسی طور پر اسلام کی اہانت ہوتی، یا کسی غیر حکومت یا غیر ملکی مقصد کا پروپگنڈا ہوتا تو وہ اخبار سے نکال دی جاتی

لیکن دو سال ہوئے مدیروں سے بلا کر کہا گیا کہ وہ وعدہ کریں کہ شاہ اور حکومت موجودہ کے خلاف کوئی بات شائع

نہ کرینگے تو آیندہ محتسب کی نگرانی سے آزاد کر دیئے جائیں،

چنانچہ اس آزادی کا سب سے زیادہ نمایاں نتیجہ یہ حاصل ہوا ہے کہ اب اخباروں میں مفید عمرانی مباحث پر

مقالات لکھے جانے لگے ہیں، "کوشش" اس باب میں سب سے پیش پیش ہے اور اپنی ہر اشاعت میں ایک افتتاحیہ صحت عامہ

تعلیم اور آزادی نسواں وغیرہ پر لکھتا ہے، اب جس قسم کے افتتاحیہ مقالات اخباروں میں لکھے جاتے ہیں، اسکی ایک

مثال "آیندہ ایران" مورخہ ۲۴ ر دسمبر ۱۹۳۲ء سے لے کر درج ذیل کیجاتی ہے:-

"اگر کسی فلسفی یا عالم سے سوال کیا جائے کہ ترقی کی راہ کونسی ہے تو یقیناً جواب یہی ہوگا کہ ماؤں کی تعلیم،

بدقسمتی سے اس چیز پر ہمارے ملک میں کوئی توجہ نہیں کیجاتی، ہماری لڑکیوں کی تعلیم کہاں ہونی چاہئے؟ کیا موجودہ

مدارس میں اور اس ناقص نصاب تعلیم کے ساتھ؟ اور کیا ہمارے جیسے گھروں میں جہاں وہم پرستی، بدخواہی، دشمنی

اور زن و شو کے درمیان جھگڑے لڑائی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں پائی جاتی؟ - آج ہمیں اپنے گھروں میں اپنی

لڑکیوں کی تعلیم کی توقع نہ رکھنی چاہئے، ہمیں ایسے مدارس کی ضرورت ہے جہاں جدید طریقہ پر تعلیم دی جاتی ہو، جہاں

ہماری لڑکیوں کو اچھے استاد مل سکیں، جہاں انھیں عمدہ، اخلاقی اور سائنٹفک متحرک تصویریں دکھائی جائیں،

جہاں وہ اچھی باتیں سنیں، اچھے کام دیکھیں اور صحیح طریقہ پر سوچنا سیکھیں، اس وقت ہم فخر یہ کہہ سکیں گے کہ جسے

حقیقی معنوں میں خاندان کہتے ہیں اس کی پرورش و پرداخت کے لئے ہمارے ہاں مائیں موجود ہیں، یہ کام

کس کا ہے؟ یہ کام وزارت تعلیم کا ہے"

ایران کے موجودہ پریس میں مذہب کا عنصر بہت کم ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ عوام کو مذہب سے دلچسپی

زیادہ نہیں ہے، کیونکہ جیسا کہ تمام دنیا کی حالت ہے، اخبارات وہی خبریں اور اسی قسم کے مضامین شائع کرتے

ہیں جنسے ناظرین کو دلچسپی ہوتی ہے، گذشتہ نو مہینوں میں طہران کے تمام روزناموں کے روزانہ مطالعہ سے معلوم

ہوا کہ ان میں صرف ستائیس مقالات ایسے شائع ہوئے جن کو مذہبی کہا جا سکتا ہے، ان میں سے بعض مقالات

میں ایرانیوں کے لئے ایران کو مخصوص کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ رائے ظاہر کی گئی ہے، کہ بجائے مکہ اور کربلا کے زائرین کو اپنے مشہد اور قم ہی کی زیارت کرنی چاہئے،

ایران کے تمام اخبارات بخوشی اپنے ناظرین کی بھیجی ہوئی نظمیں، مقالات اور افسانے شائع کرتے ہیں، عموماً ان چیزوں کا معاوضہ نقد کی شکل میں ادا نہیں کیا جاتا، بلکہ مصنف کے پاس وہ پرچہ ہدیۃً بھیجدیا جاتا ہے، جس میں اس کی کوئی نظم یا مضمون نکلتا ہے، اکثر مقالات کا کوئی سلسلہ یا کسی غیر زبان کی کتاب کا ترجمہ باقساط اشاعت کے لئے بھیجا جاتا ہو جو ٹائپ اس قسم کے مضامین کے چھاپنے میں استعمال کیا جاتا ہے، اسی کو روز دوبارہ جما کر اس مضمون یا ترجمہ کو اس کی کتابی شکل میں چھاپتے رہتے ہیں، اس طرح جس وقت اس مضمون کا سلسلہ اخبار میں ختم ہوتا ہے، اسی وقت کتاب بھی تیار ہو جاتی ہے اور صرف جلد بندی کا کام باقی رہ جاتا ہے،

تعجب یہ ہے کہ ایران میں کتابوں کی تعداد طباعت بہت کم ہے، کسی ناشر کے لئے پانچ سو جلدیں بہت زیادہ خیال کیجاتی ہیں،

جدید ایرانی ادب کی نثر کی کتابیں تعداد میں بہت ہی کم ہیں، ان کی قلت اشاعت کی توجیہ معمر ایرانیوں کی ایک جماعت نے یہ کی کہ صدیوں سے اہل ایران کسی کتاب کو پڑھنے کی بہ نسبت اُسے سُن لینے کے زیادہ عادی ہو گئے ہیں، چنانچہ ہر گاؤں یا پڑوس میں ایک کتاب سنانے والا ہوتا ہے، وہاں کے سب لوگ اس کے گرد جمع ہو کر کتاب سُن لیتے ہیں، اسی لئے آج بھی جب کہ پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے، اگر کوئی کتاب کسی گاؤں میں پہنچ جاتی ہے تو کوئی ایک شخص اُسے بلند آواز کے ساتھ پڑھکر دوسروں کو سنا دیتا ہے،

ایران میں صحافت بتدریج حقیقی معنوں میں صحافت ہوتی جاتی ہے، قدیم طرز کی علمی اور مقفی عبارت لکھنے والوں کی جگہ اب نوجوان مدیروں نے لی ہے جو غیر ملکی زبانوں سے واقف ہوتے ہیں اور موجودہ واقعات عالم سے دلچسپی لیتے ہیں، اس لئے امید ہے کہ ایران کا جدید پریس رائے عامہ کی تشکیل اور قوم کی ترقی پر زبردست اثر ڈالے گا،

(م و جنوری ۳۴ء)

"ع ز"

اخبار علمیہ

بیسوین صدی مین غلامی کا رواج

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اب غلامی کا رواج تمام دنیا سے مٹ گیا، لیکن باوجود اس کے کہ بردہ فروشی قانوناً ممنوع قرار پا چکی ہے، دنیا کا ایک معتدبہ حصہ اب بھی اس مین مبتلا ہے، بردہ فروشی کو مٹانے کے لئے سب سے پہلا ہاتھ اسلام نے اٹھایا تھا، لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ جہان اس کے اور احکام کی پابندی سے غفلت برتی جانے لگی وہان غلامی کے قانون کی گرفت بھی کمزور ہو گئی، گذشتہ صدی کی ابتدا تک امریکہ اور یورپ کی تقریباً تمام طاقتور سلطنتون مین بردہ فروشی کا رواج تھا، ۱۸۳۳ء مین ولیم ولبر فورس (William Wilberforce) کی ان تھک کوششون سے برطانیہ کی پارلیمنٹ نے اسے قانوناً ممنوع قرار دیا، اس نے نہ صرف آئندہ کے لئے اسے خلاف قانون ٹھہرا دیا بلکہ سات لاکھ غلام آزاد کر کے ان کے مالکون کو دو کرور پونڈ بطور معاوضہ کے ادا کر دیئے، ۱۸۶۳ء مین ریاستہائے متحدہ امریکہ کے صدر لنکن (Lincoln) کے ایک فرمان کے بموجب چالیس لاکھ غلام آزاد ہو گئے، اسی طرح ڈچ اور فرانسیسی سلطنتون مین بھی بہت سے غلام آزاد کئے گئے، لیکن اب بھی غلامون کی تعداد پچاس لاکھ سے زیادہ ہے، انجمن اقوام بردہ فروشی کی سراسر مخالف ہے، مگر باوجود اس کے کہ حبشہ کی سلطنت انجمن اقوام کی ایک رکن ہے غلامی کا رواج وہان اس وقت بھی جاری ہے، اور اس کے دو لاکھ باشندے غلامی کی حالت مین زندگی بسر کر رہے ہین، امریکہ کے حبشیون نے جمہوریہ لیبریا (Liberia) محض آزادی کے لئے قائم کی تھی، اور وہان غلامی قطعی طور پر ممنوع قرار دیدی گئی تھی، لیکن اب وہان بھی غلام رکھنے کی اجازت دیدی گئی ہے، جن کی تعداد کا تخمینہ پانچ لاکھ ہے، اہل پرتگال مزدورون سے معاہدہ لے کر انھین بعض جزیرون مین قہوہ کی کاشت کے لئے بھیج

دیے ہیں، معاہدہ کے شرائط اس قدر سخت ہوتے ہین کہ ان مزدوروں کی حیثیت حقیقۃً غلامون ہی جیسی ہوتی ہ
چین مین سیاسی خلفشار کی وجہ سے افیون اور بچون کی تجارت کے لئے ایک عمدہ موقعہ ہاتھ آگیا ہے، لاکھون لڑکون
کو ان کے والدین نے قیمتاً فروخت کردیا ہے، اور وہان کے مختلف کارخانون مین چھوٹے چھوٹے بچے دو ڈالر
(پانچ روپیہ سے کچھ زیادہ) پر رکھ لئے جاتے ہین شنگھائی مین ایک لوہار کی دوکان مین اکتیس لڑکے بند پائے گئے
انھین نہ پیٹ بھر کھانا ملتا تھا نہ سونے کے لئے کافی جگہ تھی، اگر وہ کام کرنے سے انکار کرتے تو ہاتھ باندھ کر دیوار سے لگا
دیئے جاتے، اور لوہا گرم کرکے ان کو داغا جاتا، ہانگ کانگ مین دس ہزار لڑکیان ایسی ہین جو خانگی خدمت یا پیشہ کیلئے
فروخت کردیگئی ہین، سیلون مین بھی بچون کی خرید و فروخت جاری ہے، اگرچہ اسے "گود لینے" (Adoption)
کے معزز نام سے منسوب کررکھا ہے، بغیر معاوضہ کے بچون کو کام کرنا پڑتا ہے، اور اگر وہ قابل اطمینان طور پر کام نہین
کرتے تو انھین سخت سزائین دیجاتی ہین، انھین گرم لوہے سے داغتے ہین یا ان کے ناخنون کے نیچے سے سوئی چبھو
دیتے ہین، چنانچہ ایک بچہ کے جسم پر اس قسم کے (۳۵) زخم پائے گئے، جاپان مین والدین لڑکیون کو فروخت کرسکتے
تھے، اور وہان اس کا بہت رواج تھا، لیکن اب ایسی لڑکیون کو اپنے کو آزاد کرا لینے کا حق قانوناً حاصل ہوگیا ہے
تاہم ان کے لئے آزادی حاصل کرلینا آسان نہین ہے، اسی طرح عرب، مصر، طرابلس، اور شمالی افریقہ کے
دوسرے حصون مین بھی غلامی کا رواج کسی نہ کسی حد تک اب بھی پایا جاتا ہے،

رسالہ "اسلامک آرٹ" امریکہ

مچگین یونیورسٹی (امریکہ) کے شعبہ تحقیق فنون اسلامی اور ڈیٹرولٹ (امریکہ) کے ادارہ فنون نے حال مین ایک
ششماہی رسالہ "اسلامک آرٹ" کے عنوان سے نکالا ہے، اس رسالہ کے اجراء کا مقصد اسلامی فنون کی تحقیق اور
ریسرچ ہے، اس مین دنیا کے ممتاز ترین مورخین و ارباب فن کے اور بحیثیل مقالات شائع ہوتے رہین گے، اور
اس کے صفحات اس موضوع سے متعلق علمی مباحث کے لئے کھلے رہین گے، اس رسالہ نے ان صاحبان علم کو بھی

جو مشرق بعید، وسط ایشیا، ہندوستان، اور قرون وسطی کے یورپ کے آرٹ پر تحقیق و ریسرچ کررہے ہین دعوت
دی ہے، کہ وہ اپنے مخصوص موضوع اور اسلامی آرٹ کے درمیانی تعلق اور باہمی اثراندازی پر برابر مضامین لکھتے رہین
اس مین اسلامی تاریخ، لٹریچر، فلسفہ اور مذہب پر مستشرقین کے ایسے مقالات بھی شائع ہون گے جن کا تعلق کسی حیثیت
سے اسلامی فنون و حرفت سے ہوگا، رسالہ کا ایک حصہ موجودہ لٹریچر پر ریویو کے لئے مخصوص ہوگا، اور تمام ممالک کی
مختلف مہمون اور آثار قدیمہ سے متعلق کھودائی وغیرہ کی کارگزاریان بیان ہوتی رہین گی، رسالہ اسلامک آرٹ ایک
بین الاقوامی علمی رسالہ ہے، اس کے مقالات انگریزی، جرمن اور فرانسیسی زبانون مین ہون گے، رسالہ سال مین
دو حصون مین جنوری اور جون مین شائع ہوگا، ہر حصہ مین (۸۵) صفحون سے زائد متن کے اور (۲۰) صفحے تصویرون
کے ہون گے، ہر حصہ کی قیمت تین ڈالر (قریب آٹھ روپیے) اور پوری جلد کا سالانہ چندہ جسمین دونون حصے شامل ہونگے
پانچ ڈالر (تیرہ روپیہ سے کچھ زائد) ہے، اس رسالہ کے اڈیٹر محمد آغا اغلو (Mehmet Aga-oglu) ہین،

روشنی کرنے کے قدیم طریقے

امریکہ کے ڈاکٹر والٹرہف (Walter Hough) نے حال مین وہ تمام ایجادین جمع کی ہین، جو
زمانہ قدیم مین دنیا کے مختلف ممالک مین روشنی کرنے کے لئے رائج تھین، زیادہ عرصہ نہین گذرا کہ جزائر شٹلینڈ (اسکاٹلینڈ
کے شمال مین) کے رہنے والے، پٹرل نامی ایک چھوٹی بحری چڑیے سے روشنی کا کام لیتے تھے، اس چڑیے مین چربی
بہت زیادہ ہوتی ہے، اسے مار کر اس کے حلق کے اندر ایک بتی ڈال کر جلا دیتے جس سے ہلکی ہلکی روشنی ہوتی رہتی
تھی، اسی طرح ڈنمارک کے قدیم باشندے اک (Auk) نامی ایک بہت چربی دار چڑیے کے پیٹ مین
بتی ڈال کر اسے جلاتے تھے، یہ چڑیا اب مفقود ہوگئی ہے، چربی دار مچھلیان بھی روشنی کے لئے استعمال کیجاتی تھین
اس کی ایک نمایان مثال "شمع ماہی" (Candlefish) ہے، یہ بہت موٹی اور چربی دار مچھلی شمالی
امریکہ کے شمالی مغربی ساحل پر پائی جاتی تھی، ایک لکڑی چیر کر اس مین اس مچھلی کو دبا کر کھڑا کر دیتے تھے اور

پھر شمع کے طور پر اسے جلاتے تھے، ریاست ین (امریکہ) کے باشندے یون ہی سکر (Sucker) نامی ایک دوسری قسم کی مچھلی استعمال کرتے تھے، نیو فاؤنڈلینڈ کے ماہی گیر کلب ماہی (Dog fish) کی دم کی دھجیان کرکے اسے روشنی کے لئے جلاتے تھے، اسی طرح نیوزی لینڈ کے ساحل والے بھی ایک دوسری ہی قسم کی مچھلی سے مشعل کا کام لیتے تھے، یورپ اور ورجینیا (امریکہ) مین شمع کی ایجاد سے پہلے موم کی بتی کا رواج تھا، سفید نسل والون کی آمد سے قبل شمالی امریکہ مین متعدد اقسام کی مشعلین رائج تھین، میکسیکو مین ایک درخت ہوتا ہے جس کی چھال اس قدر روغن دار ہوتی ہے، کہ قدیم زمانہ سے لیکر اس وقت تک روشنی کے کام مین استعمال کیجاتی ہے، اسی طرح ورجینیا مین بھی ایک درخت کی لکڑی سے روشنی کا کام لیتے ہین، ڈاکٹر ہف نے جو نمونے جمع کئے ہین ان مین متعدد اقسام کے تیل کے لیمپ بھی ہین، جو مٹی، کوڑی، اور دوسری چیزون کے بنے ہوئے ہین اور ایسی لالٹینین بھی ہین جنمین جگنو پکڑکر روشنی کے لئے بند کردیئے جاتے تھے،

چار ہزار برس کا پرانا گیہون،

حال مین سندھ کے قدیم شہر موہنجو دارو مین جو آثار قدیمہ برآمد ہوئے ہین ان مین کچھ گیہون بھی تھے جو ایک مقبرہ سے نکالے گئے ہین، یہ مقبرہ چار ہزار سال کا بنا ہوا تھا، اور اُس وقت کے دستور کے مطابق اسمین کچھ گیہون مردہ کی روح کے لئے رکھ دیئے گئے تھے، ایک عیسائی مبلغ نے انھین سے چند دانے لیکر بو دیئے، اور وہ اگ بھی آئے، چنانچہ فصل تیار ہونے کے بعد اس نے اپنے مشن کی طرف سے ایک اونس فی شلنگ کے حساب سے اسے فروخت کرڈالا، سر ڈینیل ہیملٹن نے اس مین سے کچھ خرید کر سندر بن کے علاقہ مین تجربۃً بو دیا ہے، اور اب اس کی فصل تیاری کے قریب ہے، انھون نے ۱۱ فروری ۱۹۳۴ء کو ایک تقریر مین اس گیہون کی مختصر تاریخ بیان کی، اور بتایا کہ یہ نہایت اعلی قسم کا گیہون ہے، اگرچہ بعض باتون مین گیہون کے مروجہ اقسام سے مختلف ہے، کہ یہ بجائے خود ایک مستقل قسم ہے،

"ع ز"

ادبیات

جواب خطاب بملت افغان

ازسرور خاں صبا، کابل،

یاد ہوگا کہ معارف دسمبر ۱۹۳۳ء میں "خطاب بہ ملت افغان" کے عنوان سے ایک نظم چھپی تھی، معاصر روزنامۂ اصلاح کابل نے ۶ جنوری ۱۹۳۴ء کے پرچہ میں اس نظم کا فارسی میں ترجمہ چھاپا، اور اس کے جواب میں کابل کے ایک شیوا بیان شاعر سرور خاں صبا نے "جواب خطاب بہ ملت افغان" لکھکر روزنامۂ مذکور میں شائع کیا، چونکہ اس نظم سے ایک دوستانہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے، اسلئے "خطاب بملت افغان" کے مصنف محمد یحییٰ صاحب نے اسکا ازالہ ضروری سمجھا، پہلے ہم صبا صاحب کے چند اشعار نقل کرتے ہیں، جن سے اُن کا مفہوم آشکارا ہوگا،

جہاں شد پر تأسف اے خدا بر داغ ناسورم
بسوز و نعرۂ مرا دل بحال چشم بنیورم

مصیبت دیدہ ام جان رفتہ از کف زار و مہجورم
دریں عالم نباشد جز فغان و نالہ منظورم

جدا شد از بر ما گوہر نایاب و طاقت ہم
دم سوخت ہجراں جان زارم رشتہ ہم

فلک بر ما عجب نرد دغا را باختی آخر
تو ما را زخمیٔ تیر ملامت ساختی آخر

بحال خویش مارا یکدمی نگذاشتی آخر
ندانستم ز نیرنگت چہ سوئے داشتی آخر

نمودی کشور ما را سراے شیون و ماتم
نمودی در جہاں ما را عجب افسانۂ عالم

عزیزاں عالم ہجر است و چوں آئینہ حیرانم
کباب داغ ماتم شمع بزم سوگوارانم

سپند مجمر دردم، زبان آہ و افغانم
چو نی فریاد می خیزد دمادم از رگ جانم

بجا باشد گر گویم شکر لطف غم شریکاں را
بجان منت شناسم التفات دوستداراں را

به اعظم گڈھ معارف تا قیامت جلوہ گر بادا
ہمیشہ با سلیمان خاتم و تخت ہنر بادا

کمال لطف یحییٰ سخنور بیشتر بادا
مرایں طوطی ہندی را دہان تنگ شکر بادا

سرودہ نوحۂ جانکاہ برائے خسرو لائق
دمے کردہ خطاب قتل شہ بر ملت صادقی

ہمی شاید حقیقت را نویسم بر جواب وی
زنم از دیدہ آبی بر دل آتش مآب وی

گدازم مرہمے بر سینۂ ریش کباب وی
کنم از اشک افغان منطفی آن التہاب وی

کہ ہم بزم پریشانی پریشاں میتواں گشتن
نبود ار روز روشن شام ہجراں میتواں گشتن

زبان تا چند باشی در خموشی نطق و تقریری
ندارد طاقت گفتن زباں اے خامۂ تحریری

چو در کار قضا بر ملت ما نیست تقصیری
ز آہ خلق میخواہم کنوں امداد تاثیری

"مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
دگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد"

چو ممکن نیست بارے دم زدن در عالم امکاں
کند تدبیر را تقدیر ایزد تابع فرماں

دریغا از دُر دُرّانیان و گوہر افغاں
کہ گشتہ ہمچو گنج شائگاں از دیدگاں پنہاں

درین کار قضا ہرگز قصور ملک و ملت نیست
وفادار است ملت، جانی و اہل خیانت نیست

اگر بودہ یکے از فرد ملت قاتل بیعار
کجا دارد کسے یاراں سراغ گلشن بے خار

نباشد بیوجود خوب دید دنیای حسرت بار
کم است اشخاص بد در ملت ما خوب شد بسیار

ہمی خواہد چو جان خویش ملت اہل خدمت را
نمی بیند بچشم کینہ ارباب صداقت را

. . . .

اگر دُر رفت از کف بے بدل دُردانہ داریم
پریشاں می نگردد زلف ما چوں شانہ داریم

بقلب ایشیا در دہر از خود خانہ داریم
با وج خود زگیتی گوش در افسانہ داریم

بود سال نکو را ظاہر آثار بہارانش
خوش آں زخمی کہ باشد مرہمے ظاہر بدامانش

شرح خطاب بملت افغان

از محمد یحییٰ صاحب، اعظمگڈھ

نہ تنہا بود آتش بجاں اے قوم غمخوارم
کہ از سوز درون من ہم فغاں سنج و دل افگارم

نہ تنہا نالۂ غم سر کنی در عالم ہجراں
کہ از جوش غمت چشم جہانے گشتہ خوں افشاں

غمت تنہا غم تو نیست ہاں اے ملت محزوں!
یقیں داری کہ قلب ایشیا از صدمہ ات شد خوں

نہ رو صبح مسرت گریہ چشمت شام ہجراں شد
کہ آں مہر وطن افروز زیر خاک پنہاں شد

دریغا در دمے ماتم سرا بزم عزیزاں شد
کہ از یک موج صرصر گشتہ آں شمع فروزاں شد

بایں الطاف و اخلاصت چہ شکر اے مہرباں گویم
نمی دانم چہ گویم، چند گویم، یا چساں گویم

معارف با سلیماں مخزن علم و ہنر بادا
بہ بزم تو سلیماں با معارف جلوہ گر بادا

ہمیشہ آں باستقلال تو وقف دعا بادا
ہمیشہ ایں بہ شمع علم و عرفاں رہنما بادا

الٰہی تا سلیماں خسرو ملک ہنر باشد
صبا تخت کی آتش را بجائے بال و پر باشد

بناز اے قوم! تو ہم سرور[1] شیریں بیاں داری
بناز اے قوم! تو ہم طوطی شکر فشاں داری

بہ آں بوئے دلآویز تو اے موج صبا رقصم
بہ فرط بیخودی با آں شمیم جانفزا رقصم

کز آں گلزار حریت بہ ہندوستاں فرستادی
قفس پروردہ را از چمن ریحاں فرستادی

بہ مہر و التفات خاص لطفے تازہ فرمودی
بدینساں یک گدائے بینوا را پایہ افزودی

شناسایانہ فرمودی شریک ماتم خویشم
نہادی از تلطف مرہمے بر سینۂ ریشم

ز فیض ہم نوائی بر فلک بردی فغانم را
بہ آب دیدہ شستن خواستی داغ نہانم را

بخود بالم کہ در چشم عزیزاں عزتے دارم
ہمی نازم کہ با تو ارتباط و نسبتے دارم

[1] سرور خان صبا،

دلے با ایں تفاخر می خلد در سینه ام خارے ۔۔۔ که داری از نوائے آتشینم درد و آزارے

به سمع نازکت طرزِ فغانم ناصواب آمد ۔۔۔ ترا ناخوشگوار از بنده اندازِ خطاب آمد

دریں ہنگامهٔ غم عذرِ من باشد که بپذیری ۔۔۔ که باشد تلخی طرزِ فغاں از فرطِ دلگیری

چگونه بر جهد از سینه ام آہنگ شادابے ۔۔۔ که دارم بیدلے دردآشنا و جانِ بیتابے

ہزاراں برقِ مضطر می طپد اندر رگِ جانم ۔۔۔ دلے دارم که از فیضش سراپا شمعِ سوزانم

دلے دارم که دارد اضطرابِ برقِ بیتابے ۔۔۔ دلے دارم که دارد از ازل تقدیرِ سیمابے

دلے دارم که از سوزِ نہانش دمبدم سوزد ۔۔۔ دلے دارم که شمعِ درد از دودش برافروزد

دلے دارم که از فیضِ جراحت ہاست سیپارهٔ ۔۔۔ دلے دارم که برقِ بیقرارے راست گہوارهٔ

دلے دارم که طوفانیست در ہر قطرهٔ خونش ۔۔۔ دلے دارم که عمانیست در ہر موجِ گلگونش

دلے دارم که از اشک و داغِ حسرت آب و گل دارد ۔۔۔ دلے دارم که ہر داغش جہانے مستقل دارد

دلے دارم که از خونِ جگر لعل و گہر باشد ۔۔۔ دلے دارم که از سوزِ نہاں برق و شرر باشد

دلے دارم که صد مشقِ شکستن آرزو دارد ۔۔۔ دلے دارم که از خونِ تمنا رنگ و بو دارد

دلے دارم که یک گنجینهٔ مہر و وفا دارم ۔۔۔ دلے دارم که یارب یک متاعِ بے بہا دارم

نمی دانی مگر تو آه آں جوشِ عقیدت را ۔۔۔ نئی آگاه آں کیفیتِ دردِ محبت را

که در قلبِ حزینم داشتم با آں شه غازی ۔۔۔ که در راهِ وطن کرده بجانِ خویشتن بازی

چه گویم تا چه با من کرده آں اندوهِ جانکاہے ۔۔۔ کسے از شدتِ دردِ نہانم نیست آگاہے

دراں عالم که رخصت شد ز دل صبر و شکیبائی ۔۔۔ دراں عالم که می کردم ز خوں پیمانه پیمائی

سرودم از سرِ سوز و گداز آں نالهٔ خونیں ۔۔۔ که جیب و آستینم شد ز لعل بے بہا رنگیں

تو طعن انگاشتی آں نالهٔ بے اختیاری را ۔۔۔ ملامت بر شمردی آں فغانِ اضطراری را

خطاب الٰہی با تو کردم چارهٔ دیگر نه دانستم ۔۔۔ که شرحِ دردِ دل را شکلے ازیں بہتر نه دانستم

چو از قومے یکے بیدانشی کرد" ایں نمی دانی ۔۔۔ چه فرموده است سعدی مصلحِ اخلاقِ انسانی

دلم می سوزد اے ملت کنوں بر ابتلائے تو ۔۔۔ مگر حاشا که شک دارم به آئینِ وفائے تو

اگر در ماتمِ تو ناله سر کردم ملامت کو؟ ۔۔۔ اگر با تو ہم آہنگِ فغاں گشتم شماتت کو؟

کجا در شورِ ماتم امتیازِ نیک و بد ماند ۔۔۔ کجا در جوششِ غم خودداری ہوش و خرد ماند

گذشت آنچه گذشت اکنوں دعائے خیر میگویم ۔۔۔ که می جوشد دعا از بہرِ تو از ہر بنِ مویم

خدا محفوظ دارد مر ترا از فتنهٔ دوراں ۔۔۔ نه بازد بازیِ دیگر کنوں ایں گنبدِ گرداں

دگر از فتنهٔ ایام، ملت را اماں باشد ۔۔۔ زنیرنگِ جہانت حفظِ ایزد پاسباں باشد

ہمیشه مست و سرشارِ مئے حبِ وطن باشی ۔۔۔ بکامِ دوستاں در راهِ الفت گامزن باشی

به فرقِ دشمنانِ دین و ملت تیغ زن باشی ۔۔۔ به چشمِ شوخِ اعدائے وطن ناوک فگن باشی

بہر حال آبروئے ملک و ملت را نگہداری ۔۔۔ وقارِ پاستانِ زاد بومت را نگہداری

معطر سازی از عطرِ وفا بزمِ اخوت را ۔۔۔ ز سر تازه نمائی رسم و آئینِ محبت را

گرت یک گوہرِ شہوار از کف رائگاں باشد ۔۔۔ بحمد اللہ کنوں ہم با تو گنجِ شائگاں باشد

زہے آں تابشِ "درِ یتیم" و "گوہرِ نادر" ۔۔۔ که از فیضِ وجودش دولتِ بیدار شد ظاہر

مبارک آں فروغِ کشور و آں نازشِ ملت ۔۔۔ مبارک آں جوان بخت و جواں سال و جواں ہمت

به شرق آفتابے تازه گردند ارزانی ۔۔۔ که از کابل به عالم می نماید لمعه افشانی

الٰہی ایں سریر آرائے افغاں کامراں باشد ۔۔۔ بدہر ایں نیرِ رخشنده دائم ضو فشاں باشد

بہارِ ایں چمن از فیضِ ایں گل جاوداں بادا

صبا از موجِ بویش ہمچنیں عنبر فشاں بادا

مطبوعات جدیدہ

اخبار الدولۃ السلجوقیہ (عربی) مصحح جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب، استاذ زبان فارسی پنجاب یونیورسٹی،

ناشر پنجاب یونیورسٹی لاہور، حجم ۲۲۸ صفحے، لکھائی چھپائی ٹائپ مین جلد مطلا،

سلاجقہ کی تاریخ مین ابھی تک بہت کم مستقل کتابین شائع ہوئی ہین، ڈاکٹر محمد اقبال صاحب شکریہ کے مستحق ہین کہ اُنھون نے اس کتاب کو منظر عام پر لاکر اس سلسلہ مین ایک نئی کڑی کا اضافہ کیا، اخبار الدولۃ السلجوقیہ کا نسخہ برٹش میوزیم مین محفوظ ہے، زیر نظر نسخہ اوسی سے مرتب کیا گیا ہے، اس مین سلاجقہ کی ابتدا سے ۵۹۰ھ تک کے حالات ہین، برٹش میوزیم کے نسخہ مین کتاب کے سرورق پر مصنف کا نام صدر الدین ابو الحسن علی مرقوم ہے، لیکن مختلف مستشرقین نے اپنے مضامین مین خود اس کتاب کے اندر کے شواہد کی بنیاد پر اس انتساب کی تردید کی ہے، اور اپنی قیاس آرائیون سے مصنف کو متعین کرنا چاہا ہے، مصحح کتاب نے ان مضامین کا خلاصہ اپنے دیباچہ مین دیدیا ہے، لیکن ضرورت تھی کہ کتاب کے اس شائع شدہ نسخہ کے سرورق پر بھی اس انتساب کو کسی مشکوک نقطہ کے ساتھ ظاہر کر دیا جاتا، کہ دیباچہ کی زبان انگریزی ہے، اس لئے انگریزی نہ جاننے والے عربی دانون کے غلط فہمی مین مبتلا ہوجانے کا امکان رہجاتا ہے،

الفاروق (فارسی)، مترجمہ خواہر اعلیحضرت غازی محمد نادر شاہ، حجم جلد اول ۲۷۶ و جلد دوم ۴۰۰ صفحات، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت درج نہین ہے،

مولانا شبلی مرحوم کی الفاروق کا ترکی زبان مین چند سال پہلے ترجمہ شائع ہوچکا ہے، اور اب یہ کتاب اردو سے فارسی زبان مین ترجمہ ہوکر سامنے آئی ہے، اور اس کا نمایان وصف ایک یہ ہے کہ اس کو فارسی کا جامہ پہنانے والی ہستی ایک خاتون کی ہے، جو سابق شاہ افغانستان اعلیٰ حضرت نادر شاہ مرحوم کی خواہر محترمہ ہین، انھین اردو زبان پر کامل عبور حاصل ہے، اور محض اپنے ذوق و شوق سے اس کو فارسی زبان مین منتقل کیا ہے، ترجمہ کی زبان شستہ شیرین

اور سہل ہے، کتاب کے آخر مین ایک رسالہ "مجموعہ اقوال حضرت عمر فاروق" مع منظوم فارسی ترجمہ کے منسلک ہے،

رحمۃ للعالمین، جلد سوم، از جناب قاضی محمد سلیمان صاحب مرحوم منصور پوری، حجم ۲۸۰ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت بے جلد ؎ مجلد مطلا ؏، پتہ:- منیجر اخبار مسلمان سوہدرہ ضلع گجرانوالہ (پنجاب)،

رحمۃ للعالمین کی دو جلدین اس کے مصنف مرحوم کی زندگی مین شائع ہوکر قبولیت عام حاصل کرچکی ہین، اب تیسری جلد ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی ہے، اس حصہ کا موضوع اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے امتیازی خصوصیات ہین، چنانچہ مختلف ابواب خصائص نبوی، خصائص قرآن، اور خصائص اسلام وغیرہ مین منقسم ہے، اس کتاب کی نمایان خصوصیت سوانح و واقعات کے ساتھ غیر مذاہب کے اعتراضات کے جوابات، دوسرے صحف سماوی سے موازنہ اور یہود و نصاری کے دعاوی کا ابطال رہی ہے، یہ خصوصیت اس جلد مین بھی موجود ہے، اور دوسری جلدون کی طرح اس جلد مین بھی مناظرانہ طریق کے باوجود کمال تہذیب و متانت بھی اپنی جگہ برقرار ہے، اور اس جلد کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی نظر آتی ہے کہ اس پر جامع و مکمل سیرۃ النبی حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی نے مقدمہ لکھا ہے، جس مین اس کتاب اور اس کے مصنف مرحوم پر اظہار خیال ہے،

فہرست کتبخانہ بانکی پور، جلد ششم (انگریزی)، مرتبہ مولوی عبد الحمید صاحب، حجم ۱۶۹ صفحے، ناشر:- سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ پرنٹنگ بہار و اڑیسہ، پٹنہ،

بانکی پور پٹنہ کے مشرقی کتبخانہ کی قلمی کتابون کی فہرست کی اشاعت کا جو سلسلہ جاری تھا، اوس کی آخری قسط جلد ششم حصہ دوم ابھی حال مین شائع ہوئی ہے، اس مین مختلف مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، وہابی، شیعہ اور زیدی کی فقہی کتابین علٰحدہ علٰحدہ درج ہین، اور آخر مین قانون وراثت اہل سنت و قانون وراثت شیعی کی کتابین مندرج ہین،

بوستان نعت، مرتبہ جناب میان احمد علی صاحب سیف، کلانور ضلع گورداسپور، ناشر جناب ملک نواب علی اعوان، ڈاکخانہ رسول، ضلع گجرات، (پنجاب) قیمت ؏،

جناب میان احمد علی صاحب سیف، ریاست بہاولپور کے دامن سے وابستہ اور حکومت کی حوصلہ افزائی سے

مفید خدمت مین مصروف ہین، بوستان نعت انھین کی مساعی کا نتیجہ ہے، اس مین پاکیزہ نعتیہ کلام یکجا کئے گئے ہین، خدا کرے اسے حسن قبول عطا ہو،

سعیدی ڈکشنری یا سعید اللغات مولفہ مولوی محمد منیر صاحب نیر صدیقی، ناشر مطبع مجیدی کانپور

حجم ۱۳۵۱ صفحے، تقطیع چھوٹی، مجلد، قیمت درج نہین،

سعیدی ڈکشنری، اسکول کے طلبہ کی ضروریات کا لحاظ رکھکر مرتب کی گئی ہے جس مین اردو مین عام رائج الفاظ خواہ کسی زبان کے ہون، جمع کئے گئے ہین، پھر قانونی، سیاسی، اخباری، اور اقتصادی اصطلاحات وغیرہ علیحدہ ضمیمون مین ہین، اردو اور فارسی کے محاورات کی تشریح کے لئے ایک جداگانہ ضمیمہ ہے، آخر مین اردو محاورون کے مترادف انگریزی محاورے تقریبا سو کی تعداد مین یکجا کئے گئے ہین، طلبہ کے لئے جو ڈکشنریان اب تک مرتب ہوئی ہین، اون مین یہ سب سے جامع، مکمل اور کارآمد ہے

افشائے راز نہان و راز حیات مولفہ جناب منشی احمد علی خانصاحب حجم بر ترتیب ۲۰۰ و ۸۰ صفحے، پتہ، منشی احمد علی خانصاحب، نمبر ۲۲۹ کوچہ تاراچند، دہلی قیمت بر ترتیب عہ و ۸؎،

امریکہ کی مس کیتھرائن میو نے اپنی کتاب مدر انڈیا مین جو زہر فشانی کی تھی، منشی احمد علی خان نے امریکہ کی ایک دوسری خاتون مس کیتھرائن بحیثیت ڈیوس پی ایچ ڈی، کی ایک تصنیف کا ملخص ترجمہ کرکے اوس کا جواب دیا ہے، وہی ترجمہ "افشائے راز نہان" کے نام سے شائع ہوا ہے، اس کتاب کی مصنف نے امریکہ مین ایک طبی جماعت قائم کرکے اصلاح معاشرت و صحت کی خاطر امریکہ کی دس ہزار عورتون سے اون کی اندرونی زندگی اور اوس کے تجربے اور اثرات دریافت کئے تھے، ان مین سے دو ہزار دو عورتون نے جوابات دیئے، جو حیا سوز حرکات کی روداد دن سے مملو ہین، پھر مصنف نے انھین جوابات کو سامنے رکھکر مختلف اعداد و شمار اور نتائج نکالے، اور انہی کو اس کتاب مین عورتون کے بیانات کے اقتباسات کے ساتھ شائع کیا ہے،

دوسرے رسالہ، راز حیات مین منشی صاحب موصوف نے مسلمانون کو خطاب کیا ہے، اولاً اسلام کی خوبیان اور اوس کے برکات بتائے ہین، پھر مسلمانون کا موجودہ نقشہ کھینچا ہے، اور آخر مین ترقی کے تدابیر بیان کئے ہین، "ر"

جلد ۳۳	ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۴ء	عدد ۴

مضامین